مہاتما گاندھی کی وصیّت

لیکھک

منظر علی سوختہ

چھپوانے والے

سکریٹری ہندستانی کلچر سوسائٹی

۴۸ بائی کا باغ، الہ آباد

پہلی بار] سنہ ۱۹۴۹ [قیمت دو روپیہ

چھاپنے والے ـــ حافظ محمد سلیم، سلیمی برقی پریس، یحیٰی پور الہ آباد

دو شبد

انڈین نیشنل کانگریس نے پچھلے چونسٹھ برس میں اس دیش کی جو زبردست سیوا کی ہے اُسے اتہاس کبھی بھلا نہیں سکتا۔ ایک بہت بڑے درجے تک کانگریس نے ہی اس دیش کو جگایا، لاکھوں اور کروڑوں جنتا میں سنگٹھن اور قربانی کا مادہ پیدا کیا اور آخیر میں دیش کو انگریزی راج کی غلامی سے آزاد کیا۔

پر جس طرح سے اچھے سے اچھے آدمی بھی پیدا ہوتے ہیں، بڑے ہوتے ہیں، بڑے بڑے کام کرتے ہیں، بوڑھے ہوتے ہیں، کمزور ہوتے ہیں، بیمار پڑتے ہیں اور پھر دُنیا سے چل دیتے ہیں، ٹھیک یہی حالت دُنیا کی اچھی سے اچھی قوموں، سمپردایوں اور سنستھاؤں کی ہوتی ہے۔ کسی بھی سنستھا میں سمے کے ساتھ کمزوری اور بیماری کا آنا ایک قدرتی چیز ہے۔ ایسا ہونے پر اچھی سے اچھی سنستھاؤں کو سُدھارنے، بدلنے، نیا روپ دینے یا ختم کرنے تک کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ سمے اُن کا اپنے آپ اَنت کر دیتا ہے۔

اسی اصول کے انوسار انڈین نیشنل کانگریس میں بھی کچھ بڑے سے بڑے، نیک سے نیک اور اونچے سے اونچے دیش بھکتوں کے ہوتے ہوئے بھی پچھلے کچھ برسوں سے کمزوریاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ ملک کے انگریزی راج سے آزاد ہو جانے اور کانگریس کے ہاتھ میں حکومت آ جانے کے بعد سے یہ کمزوریاں بہت زیادہ چمکنے لگیں اور تیزی کے ساتھ بڑھنے لگیں۔

مہاتما گاندھی سچ مچ اس دیش کی آتما تھے۔ کانگریس کے ساتھ تو اُن کا گہرے سے گہرا ناتا تھا۔ کبھی کبھی تو بالکل ایسا لگتا تھا کہ گاندھی جی ہی کانگریس ہیں اور کانگریس ہی مہاتما گاندھی ہے۔ وہ دیش کی ضرورتوں کو بھی اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے۔ کانگریس کی اس گرتی ہوئی حالت کو بھی وہ اچھی طرح دیکھ اور سمجھ رہے تھے۔

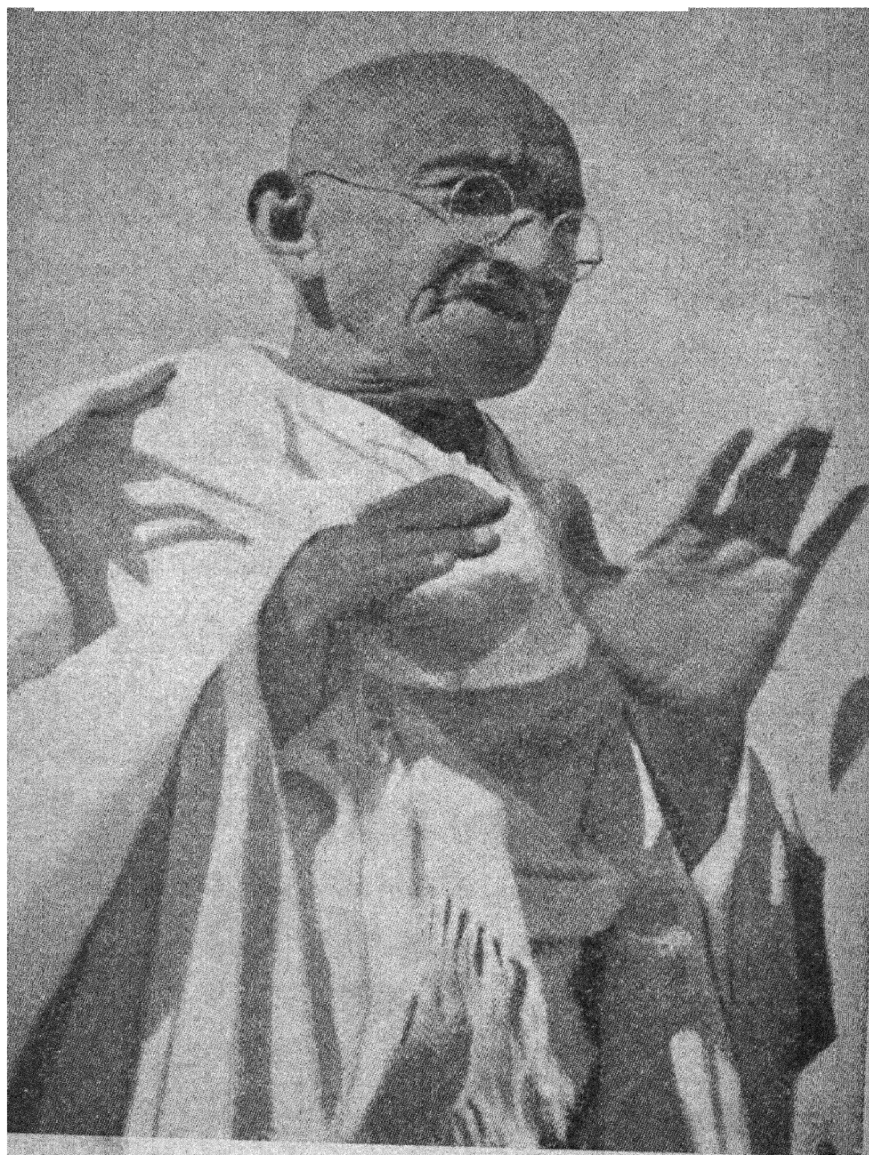
اس کے علاج کی بھی انھیں سب سے ادھک چنتا تھی. آخیری برسوں میں انھوں نے کانگریس کے دوسرے نیتاؤں اور سیوکوں کے ساتھ اس بارے میں انیک بار چرچا کی. اُن کی نبض دیش کی نبض کے ساتھ ساتھ چلتی تھی. اپنے دل کے صاف شفاف شیشے میں وہ دیش کے روپ کو ٹھیک ٹھیک دیکھتے تھے. اپنی اچانک موت کے کارن وہ دیش اور کانگریس کے اس روگ کا علاج اپنے ڈھنگ سے نہ کر پائے پر ہمارے لئے اور دیش کے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ گاندھی جی نے کانگریس کے اس روگ کا کیا علاج سوچا تھا.

۲۹ جنوری سنہ ۱۹۴۸ کو انھوں نے "لوک سیوک سنگھ" کا ایک نیا چھوٹا سا ودھان تیار کیا. اگلے دن دوپہر کے بعد انھوں نے یہ ودھان کانگریس کے جنرل سکریٹری کو بلا کر اس کے سپرد کیا اور کہا کہ یہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے گاندھی جی کی طرف سے اُن کے سجھاؤ کے روپ میں پیش کیا جائے. یہ اس کے چند گھنٹے کے بعد ہی گاندھی جی چل بسے. یہ ودھان ۱۵ فروری سنہ ۱۹۴۸ کے 'ہریجن' میں چھپا ہے. کانگریس اور دیش کے نام باپو کی یہ آخری وصیت ہے. ودھان خود بہت چھوٹا سا ہے پر ہر دیش واسی کیلئے اس کا جاننا اور سمجھنا ضروری ہے. اس پستک میں گاندھی جی کی یہ آخری وصیت اُن کے پرم بھگت شری منظر علی سوختہ کی پوری پوری ویاکھیا کے ساتھ دی جا رہی ہے. آشا ہے کہ ٹھنڈے دل سے دیش کی بھلائی سوچنے والے بہت سے بھائی بہنوں کو اپنا آگے کا راستہ طے کرنے میں اس سے بہت بڑی مدد ملے گی.

سندر لال

نئی دلّی

۱۷ اگست سنہ ۴۹ ء



बापू باپو

باپو کے بنیادی سدھانت

مہاتما گاندھی کے "لوک سیوک سنگھ" کے اس نئے ودھان کو پوری طرح سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے ہم اُن بنیادی سدھانتوں کو سمجھ لیں جن پر باپو انسانی سماج کو ڈھالنا چاہتے تھے۔ ہم یہاں اُن کے گہرے ادھیاتمک یا روحانی وچاروں اور آدرشوں میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ باپو اس دنیا میں ہمارے سماج کو کیا روپ دینا چاہتے تھے۔ باپو کا لوک سیوک سنگھ اسی دنیا کے لئے ہے اور اسی دنیا میں لوگوں کے سچے سکھ اور سچی شانتی سے اس کا سمبندھ ہے۔ تھوڑے سے شبدوں میں باپو کا مطلب یہ تھا کہ پچھمی سبھیتا اور پچھمی سامراج واد کے ظلموں اور اتیاچاروں سے اپنے دیش کو اور دنیا کو کیسے بچایا جاوے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ستیہ اور اہنسا کے ہتھیاروں سے ہی پچھمی سبھیتا کو جیتا جا سکتا ہے۔ اسی لئے ان ہتھیاروں سے کام لینا اپنے دیش والوں کو سکھانا ہی اُنھوں نے اپنے جیون کا خاص مقصد بنا لیا تھا۔ اگر ہم باپو کے جیون کے اس پہلو کو اچھی طرح سمجھ لیں تو اُن کا یہ ودھان

بھی ہماری سمجھ میں آ جاوے گا۔ اسی لئے ودھان کے دینے سے پہلے ہم گاندھی جی کے موٹے موٹے اصولوں، اُن کے دھرم یعنی ستیہ اور اہنسا اور پچھمی سبھیتا کے بارے میں اُن کے وچار، یہ سب بیان کر دینا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم اُن کے دھرم کو ہی لیتے ہیں۔

ہزاروں برس پہلے پورب کی سبھیتا نے دنیا کو دین دھرم کی ٹھوس بنیادوں پر قائم کیا تھا اور آدمی کی زندگی کو دین دھرم کے سانچے میں ہی ڈھالنا چاہا تھا۔ آج کل کی پچھمی سبھیتا نے انسانی سماج کی اُن پُرانی بنیادوں کو جڑ سے ہلا دیا ہے۔ آج دنیا کے ۹۵ فی صدی پڑھے لکھے لوگ دھرم کے اُن سیدھے سادے اُصولوں کو بھی، جن کا نیکی بدی سے سمبندھ ہے، جیسے سچ بولنا، چوری نہ کرنا، دوسروں کے ساتھ ایمانداری برتنا، جنھیں پُرانی دنیا کے لوگ اٹل مانتے تھے، فضول اور نکمّا سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرنے والوں کو پاگل اور دقیانوسی کہتے ہیں۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے آدھیاتمک یا روحانی باتوں کو سمجھنے کے لئے اور نیکی بدی کے اصولوں کی اصلیت جاننے کے لئے بھی کسی طرح کی تعلیم یا تجربے کی ضرورت ہے۔ یہ سب سمے کا پھیر ہے۔ اس کا کوئی جھٹ پٹ علاج ہو بھی نہیں سکتا۔ بڑے بڑے انقلابوں کے دنوں میں اس طرح کی کٹھنائیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کٹھنائیاں ہی بڑھ کر انسانی سماج کی بڑی بڑی مصیبتوں کا کارن بن جاتی ہیں۔

باپو اسی طرح کے ایک بہت بڑے اُلٹ پھیر کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ پُرانی سبھیتاؤں کے دھرم اور نیکی بدی کے وچار مٹتے جا رہے تھے۔ یورپ کے بڑھتے ہوئے تجارتی اور راج کاجی طوفان اور پچھمی سامراج نے ان پُرانی سبھیتاؤں کے اس طرح کے

وچاروں اور آدرشوں کو نکمّا، پھیکا اور بے جان کر دیا تھا۔ گاندھی جی کی آتما اس دیش کی پُرانی سبھیتا کے رنگ میں گہری رنگی ہوئی تھی۔ دنیا بھر کے اندر ایک طرف دین اور دوسری طرف دنیا کا موہ جال یا ایک طرف نیکی اور بدی کا خیال اور دوسری طرف دنیا پرستی، ان کے بیچ کھینچا تانی جاری تھی۔ زمانے نے زبردستی مہاتما گاندھی کو اس مہا سنگرام کے میدان میں دھرم اور نیکی کی طرف ایک مہارتھی کے روپ میں لا کر کھڑا کر دیا۔ دیوتاؤں اور اسُروں یا دھرم اور اَدھرم کے بیچ کا یہ سنگرام ابھی تک جاری ہے۔

گاندھی جی اپنے ساتھ دو بنیادی خیال دنیا میں لائے۔ اُس سمے کی دنیا کے لئے یہ دونوں بالکل انوکھے تھے۔ ایک یہ کہ آتم بل یعنی روحانی طاقت ایک بہت بڑی طاقت ہے اور دنیا کی اور سب طاقتیں مل کر بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ دوسرا یہ کہ یہ آتم بل عام لوگوں میں بھی پیدا کیا جا سکتا ہے اور اس کی مدد سے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں، اُن کے ظلموں اور حکومتوں کا اہنسا کے اصول پر چل کر مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ طاقتیں چاہے دیش کے اندر کی ہوں چاہے باہر کی، چاہے راج کاجی ہوں، چاہے سامپردائک۔

دھرم کا اصلی رُوپ

گاندھی جی کے سامنے ایک بڑی کٹھنائی یہ بھی تھی کہ دھرم کا جو رُوپ اُن کے سامنے تھا اور جو دنیا کی سب دھرم پُستکوں میں اصلی دھرم بتایا گیا ہے وہ بہت کچھ بگڑ چکا تھا۔ دین دھرم اپنی پُرانی جگہ

کھو چکا تھا۔ دھرم پستکوں کا وہ مان نہ رہ گیا تھا۔ کھو کھلے ریت رواجوں اور پرپنچوں کو ہی لوگ دین دھرم سمجھ بیٹھے تھے۔ اسی لئے بہت سے سمجھ دار لوگ دھرم سے دور بھاگتے تھے۔ گاندھی جی دھرم کا سامراج اُس کے اصلی رُوپ میں راج کاج کے اوپر اور انسانی زندگی کے سب پہلوؤں پر جمانا چاہتے تھے۔

دھرم کے اس اصلی رُوپ کی جو ویاکھیا مہا بھارت میں کی گئی ہے اُسے ہم نیچے دیتے ہیں۔

جاجلی نے رشی سے پوچھا "دھرم کیا چیز ہے؟" جاجلی نے جواب دیا۔ 'دھرم' شبد 'دھری' دھاتو سے نکلا ہے جس کا مطلب سنبھالے رکھنا یا ملائے رکھنا ہے۔ دھرم سے سارا انسانی سماج سنبھلا ہوا ہے۔ جو چیز سب کو سنبھالے اور ملائے رکھے اُسی کو پکّی طرح دھرم سمجھو۔ کسی جاندار کو دُکھ نہ پہنچے اُس کے لئے دھرم کا بکھان کیا گیا ہے۔ جس چیز سے کسی کو بھی دکھ نہ پہنچے اسی کو دھرم جانو۔ سب جان داروں کے بھلے کے لئے دھرم کا بکھان کیا گیا ہے، جس چیز سے سب کا بھلا ہو اسی کو پکا دھرم جانو۔ ہے جاجلی! جو آدمی ہمیشہ دل سے سب کا بھلا چاہتا ہو اور اپنے کاموں سے، من سے، اور وچن سے سدا سب کا بھلا کرنے میں لگا رہتا ہو وہی دھرم کا جاننے والا ہے۔

منو سمرتی میں منو مہاراج نے سب آدمیوں کے لئے، چاہے وہ کسی بھی دیش، جاتی یا ورن کے ہوں، دھرم کی دس پہچانیں بتائی ہیں۔

دھرم کی وہ دس پہچانیں یہ ہیں۔——

" دھیرج رکھنا، یعنی صبر کرنا، کشما یعنی سب کو معاف کر دینا، دم یعنی اپنی آتما پر قابو، چوری نہ کرنا، صفائی، اپنی اندریوں یعنی نفس

پر قابو، بدھی یعنی عقل سے کام لینا، وِدّیا حاصل کرنا، سچائی اور غصّہ نہ کرنا۔

دھرم کے بارے میں اپنی شنکا کو دور کرنے کے لئے جب مہاراج یدھشٹر نے مہرشی ویاس سے پوچھا کہ اصلی دھرم کیا ہے تو مہرشی ویاس نے بتایا ــــ

"ہے یدھشٹر! دھیرج اکشما، اہنسا، چوری نہ کرنا، صفائی، اندریوں کو بس میں رکھنا، بُدّھی کو ٹھیک رکھنا، وِدّیا حاصل کرنا، سچ بولنا اور غصّہ نہ کرنا یہی دھرم کے لچھن ہیں"

باپو اسی سچّے دھرم کو دنیا میں پھر سے جگانا اور پھیلانا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے سب ہی مذہبوں کی کتابوں کو جی بھر کے اور پریم کے ساتھ پڑھا تھا۔ سب دھرموں اور سب دھرموں کی کتابوں میں اُنھیں ایک ہی سچائی دیکھنے کو ملی۔ سب مذہبوں کا ایک سا آدر اور مان اُن کے دل میں پیدا ہوگیا۔ وہ سب مذہبوں میں ایک ہی روشنی اور ایک ہی اصلیت کو دیکھتے تھے۔ سب دھرم پستکوں کو متھ کر اُنھوں نے انسانی زندگی کے دو بنیادی نیم نکالے۔ یہ دونوں نیم تھے، ستیہ اور اہنسا۔ انھیں کو سچائی اور پریم بھی کہا جا سکتا ہے۔

باپو کے لئے دھرم کیول پڑھ لینے یا کوئی ریت رواج پوری کر لینے کی چیز نہیں تھی۔ اُن کے لئے دھرم زندگی میں ڈھالنے کی چیز تھی۔ رہنے سہنے، کھانے پینے، دوسروں سے برتاؤ کرنے، سب کاموں کو وہ دھرم کی کسوٹی پر کستے تھے اور اپنی زندگی میں دھرم کے اُسی طرح تجربے یا پریوگ کرتے تھے جس طرح ایک سائنس والا سائنس

کے تجربے کرتا ہے۔ اسی لئے انھیں آدھیاتمک وگیانی یا روحانی سائنس والا کہا جا سکتا ہے۔ دنیا کی ہر دھرم پُستک بتاتی ہے کہ دھرم کیول جاننے ہی کی چیز نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر کام میں، ہر سمے اور ہر حالت میں برتنے کی چیز ہے۔ باپو نے اسی کو اپنے جیون کا بنیادی اصول بنا رکھا تھا۔ اس راستے پر چلنے میں اُنھیں طرح طرح کے انوبھو ہوتے رہتے تھے، جن سے وہ آپ بھی فائدہ اٹھاتے تھے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچاتے تھے۔ یہی اُن کی زندگی کا مشن تھا۔ دکھن افریقہ میں ستیہ اور اہنسا کے تجربوں کا اُن پر بہت گہرا اثر پڑا۔ انھوں نے دھرم پستکوں میں پڑھا تھا کہ سچائی اور اہنسا میں وہ طاقت ہے جس سے ہنسا یا مار کاٹ کی بڑی سے بڑی طاقتوں کو جیتا جا سکتا ہے۔ باپو نے پہلے تو اپنے نجی جیون میں اس کے تجربے کرکے دیکھے۔ اُنھیں ان تجربوں میں پوری کامیابی ملی۔ پھر اُنھوں نے بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر اسی طرح کے تجربے شروع کئے۔ اُنھوں نے سماج کے دُکھ دور کرانے میں اور راج کاج کے میدان میں بھی سچائی اور اہنسا کے تجربے کئے۔ تھوڑے دنوں میں انھیں وشواس ہوگیا کہ سچائی اور اہنسا ایسے ہتیار ہیں جو کبھی ناکام نہیں ہوسکتے اور جن سے ہر طرح کے ظلموں، اتیاؤں اور انرتھوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔

دکھن افریقہ کی سرکار وہاں کے ہندستانیوں کے ساتھ بڑے بڑے ظلم کر رہی تھی۔ باپو نے اُن ظلموں کا مقابلہ کرنے کے لئے ستیہ اور اہنسا پر چلتے ہوئے لڑنے کا ایک نیا ڈھنگ نکالا جس کا نام اُنھوں نے "ستیاگرہ" رکھا۔ اس انوکھی لڑائی میں اُنھیں وہاں کی سرکار کے خلاف اَن سوچی کامیابی ملی اور

بہت بڑے پیمانے پر انھوں نے اپنے دیش بھائیوں کے دکھوں کو دور کردیا۔

دکھنی افریقہ کے تجربوں سے باپو کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب تک ہندستان آپ آزاد نہیں ہوتا تب تک باہر کے ملکوں کے ہندستانیوں کے دکھوں کی جڑ نہیں کٹ سکتی۔ اس لئے اب وہ ستیاگرہ کا سدرشن چکر لئے ہوئے ہندستان لوٹ آئے تو اس وچار سے کہ یہاں کی جنتا کو اس ہتھیار کا استعمال سکھا کر اُسی کے ذریعے اُسے انگریزی راج سے آزاد کریں۔

ہندستان پہونچ کر جب اُنھوں نے یہ اعلان کیا کہ میں اہنسا سے انگریزی راج کو ہٹادوں گا تو سارے دیش اور خاص کر یہاں کے راج کاجی نیتا دنگ رہ گئے۔ پڑھے لکھے ہندستانی گاندھی جی کی اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ سرکار کی بڑی سی بڑی فوجیں، پولیس اور ساری طاقتیں اہنسا اور آتم بل کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ کسی کو وشواس نہ ہوتا تھا۔ بات یہ تھی کہ یہ لوگ اپنے دھرم کی کتھاؤں کو کبھی کا بھول چکے تھے اور ہندستانی سبھیتا کی وہ اونچی، آتمک اور روحانی چوٹیاں جن پر یہ دیش کسی سمے پہنچ چکا تھا، صدیوں سے ان لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوچکی تھیں نہیں تو ہندو شاستران ہتھیاروں کی تعریفوں سے بھرے پڑے ہیں۔ مثال کے لئے ہم گوسوامی تلسی داس جی کی رامائن سے وہ بات چیت نیچے دیتے ہیں جو لنکا کی لڑائی کے پہلے رام چندر جی

اور دی بھیشن میں ہوئی تھی ۔ اس بات چیت میں رتھ کا ایک چتر کھینچا گیا ہے اور کچھ ہتھیار گنائے گئے ہیں ۔ یہ سب تلسی داس جی کے من کی گڑھنت نہیں تھی ۔ انھوں نے یہ سب پُرانی دھرم کی کتابوں سے لیا تھا ۔ پھر بھی تلسی داس جی کا یہ چتر اتنا سندر اور سچّا ہے اور گاندھی جی کے ستیّا گرہ کا رُوپ اس میں اتنی اچھی طرح چمک اُٹھتا ہے کہ ویسا اور کہیں نہیں ملتا ۔

دی بھیشن جب راون کو چھوڑ کر رام چندر جی کے پاس آئے تو انھیں ننگے سر ننگے پیر ریچھ بندروں سے گھرا ہوا دیکھ کر گھبرا کر رام چندر جی سے کہنے لگے ـــــ

راون رتھی بیرتھ رگھوبیرا
دیکھ دی بھیشن بھیو ادھیرا
ادھک پریتی من بھا سندیہا،
بند چرن کہہ سہت سینہا
ناتھ نہ رتھ نہیں تنو پد ترانا،
کیہی بیدھی جیتب بیر بلوانا

رام چندر جی نے اس سوال کا دی بھیشن کو یوں جواب دیا ـــ

سُنہُوں سکھا کہہ کرپا ندھانا،
جیہی جے ہوئی سو سیندن آنا
سورج ، دھیرج ، تیہی رتھ چاکا،
ستیہ شیل ، درڑھ دھوجا پتاکا
بل ویویک دم پر ہت گھورے،
چھما ، کرپا سمتا رجو جورے

ایشں بھجن بیار کھتی سو جانا،
ورتی چرم سنتوش کرپانا
دان، پرسو، بدھی، شکتی پرچنڈا
ور وگیان کٹھن کو دنڈا
امل اچل من ترون سماناٗ
سم، جم، نیم، شیلی مکھ نانا
کوچ ابھید وپیر گرو پوجھاٗ
ایہی سم دجے اوپاے نہ دوجا
سکھا دھرم مے اس رتھ جاکے
جیتن کہہ نہ کتہوں رپو تاکے
دوہا۔ مہا اجے سنسار رپو، جیتی سکے سو ویر
جاکے اس رتھ ہوئے درڑھ، سنہوں سکھا متی دھیر

ہم رامچندر جی کے ان شبدوں کی اور ویاکھیا کرنا نہیں چاہتے۔ ہم کیول اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ انھیں ہتھیاروں کو رامائن نے، انھیں کو گیتا نے، انھیں کو مہاتما گاندھی نے اس رام راون یدھ اسر سنگرام میں جیتنے کا اوگھ ہتھیار مانا ہے جو سنگرام دنیا میں سدا ہوتا رہتا ہے۔ ہماری باہر کی لڑائیاں اسی اندر کی لڑائی کی چھایا ہوتی ہیں۔ اسلئے جن ہتھیاروں سے اندر کی لڑائی جیتی جاسکتی ہے وہی اصلی اور سچے ہتھیار ہیں اور انھیں سے باہر کی لڑائی بھی جیتی جاسکتی ہے۔

جن اچھائیوں کو رام چندر جی نے اوپر شکتیوں کے روپ میں گنایا ہے، ان میں سے کوئی ایسی نہیں جسے ہر آدمی اپنے اندر پیدا نہ کرسکے۔ انھیں اپنے اندر پیدا کرنے کا طریقہ ان پانچ مہات

برتوں کو پالنا اور سادھنا ہے جنھیں سب مذہبوں کی پستکوں میں آتم بل پیدا کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ ہندو شاستروں میں اس کے لئے یہ پانچ 'مہابرت' گنائے گئے ہیں ۔۔ ستیہ، اہنسا، برہمچریہ، استیہ اور اپریگرہ، یعنی سچ بولنا، کسی کو دکھ نہ دینا، نیک چلن رہنا چوری نہ کرنا اور مال جمع نہ کرنا۔

ان پانچ کو ہی اور آسانی کے لئے گاندھی جی نے اپنی کتاب 'منگل پربھات' میں گیارہ برت بنا دیا ہے۔ ان میں کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ جس طرح ڈنڈ، بیٹھک، مگدر، جسمانی بل پیدا کرنے کے سادھن ہیں ویسے ہی یہ برت آتم بل پیدا کرنے کے سادھن ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ شریر کو بلوان بنانے کے طریقوں سے آتما کو بلوان بنانے کے طریقے بہت زیادہ کٹھن ہیں۔ پر ایسا ہے نہیں۔ بات یہ ہے کہ اب تک ہم نے اپنی نجی زندگی، گھریلو زندگی اور سماجی زندگی تینوں کو بڑے درجے تک ہنسا اور ادھرم کے سانچوں میں ڈھال رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی جڑ ہماری چھوٹی چھوٹی خود غرضیوں پر ہے۔ اگر ہم دوسرے سب منشیوں کے ساتھ ایک کٹمب کے آدمیوں کا سا برتاؤ کرنے لگیں تو یہ سانچے بھی بدل جاویں اور ہم سب کے لئے آتم بل پیدا کرنے کے طریقے بھی آسان ہو جاویں۔ ہم چاہیں تو یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

آتم بل

آتم بل پیدا کرنے کے یہ سارے سادھن بہت پرانے ہیں۔ پرانے زمانے سے دنیا کے روحانی سائنس والے یعنی سنت، مہاتما اور اللہ والے

ان سادھنوں کی چھان بین کرتے رہے ہیں اور ان کے اصلی رُوپ کو سمجھ کر ان سے سب انسانوں کو بہت سے بہت لابھ پہنچانے کے طریقے نکالتے رہے ہیں۔ پر مہاتما گاندھی نے جو رُوپ ان سادھنوں کو دیا ہے اور سارے دیش کو ان کی تعلیم دینے کے جو ڈھنگ نکالے ہیں، جن سے اتنے بڑے پیمانے پر اُنھوں نے راج کاج کی لڑائیاں بھی لڑی ہیں اور اُن میں کامیابی پائی ہے، اس سب کی مثال پورب کی پُرانی سبھیتا اور ہماری دھرم کتھاؤں میں بھی نہیں ملتی۔ یہی باپو کا بڑا پن اور انوکھا پن تھا۔ انھوں نے اپنے دیش کو ستیاگرہ کی تعلیم دے کر انسانی زندگی میں ایک ایسے نئے یُگ کی بنیاد ڈالی ہے جسے اتہاس ہزاروں سال تک بھی نہیں بھُلا سکتا۔

گاندھی جی نے اصلی دھرم کو پھر سے زندہ ہی نہیں کیا، اُنھوں نے دھرم کے اور نیکی کے خاص خاص سدھانتوں کو پہلے سے کہیں زیادہ اونچا لے جا کر اُن کے پھیلاؤ کو بھی بہت بڑھا دیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر کوئی تمھارے داہنے گال پر چانٹا مارے تو اتنا ہی کافی نہیں کہ تم اپنا بایاں گال بھی اُس کے سامنے کر دو، بلکہ تمھارا یہ بھی دھرم ہے کہ مارنے والے کی عادت کو بھی خود اہنسا پر قائم رہتے ہوئے چھُڑا دو۔ اسی طرح انھوں نے بتایا کہ چوری کے معاملے میں یہی کافی نہیں ہے کہ چور کو سزا نہ دی جائے، یا اُسے چوری کا سامان لے جانے دیا جائے یا باقی کا مال بھی اُسکی نذر کر دیا جائے، بلکہ اُس کی اس بُرائی کو دور کرنے کے بھی ہر آدمی کو کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔

اس سے بھی بڑھ کر باپو کی ایک خاص بات یہ ہے۔ اُنھوں نے ستیاگرہ کو کیول ایک ایک آدمیوں کے ہی سُدھار کا ذریعہ نہ

بتا کر سارے سماج کے سدھار کا بھی سادھن بنا دیا اور اُس کے لئے لڑنے اور کام کرنے کے ایسے ڈھنگ نکالے جو بڑی سے بڑی حکومتوں کے خلاف کام میں لائے جا سکتے ہیں اور جن سے بڑے بڑے پیمانے پر لوگوں کی بھلائی، بڑھوتی اُن کی رکشا اور سماج سدھار سب کام لیا جا سکتا ہے۔ اپنے انھیں طریقوں کے تجربے گاندھی جی برابر اپنی اہنسا کی لڑائی میں کرتے رہے۔

سوراج

ہم نے گاندھی جی کے دھرم کے بارے میں وچار اور اُنکے ستیہ، اہنسا اور ستیاگرہ کا اصلی رُوپ اوپر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ آگے ہم اُن کے اُس سوراج کا رُوپ درشانا چاہتے ہیں جسے وہ اہنسا کے طریقوں سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ باپو سچا سوراج اسے مانتے تھے کہ سماج کے اندر سچی آتمکتا یعنی سچی روحانیت اور دھرم کی سچی بھاونا کا ہی راج ہو اور اُسی کا بول بالا ہو۔ یعنی یہ کہ سماج کے سارے سمبندھوں میں ایک دوسرے کے ساتھ سچائی اور اہنسا کے اصولوں پر ہی عمل کیا جاوے۔ اگر ہمارے پاس کے سب سمبندھ سچائی اور اہنسا کے اصولوں پر ہی قائم ہو جاویں تو ہم میں سے ایک دوسرے کی نفرت، ڈاہ، دشمنی خود غرضی جیسی بُرائیاں سب مٹ جاویں۔ ان بُرائیوں کے مٹ جانے پر انسانی سماج کا جو رُوپ بنے گا اُسی کو ہمارے شاستروں میں "وسودَیو کٹمب کم" یعنی یہ کہ اس دھرتی کے رہنے والے سب لوگ ایک کٹمب ہیں، کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ یہی انسانی سماج کے وکاس کی آخری منزل ہے۔ اس آدرش کو صاف صاف رُوپ دیکر باپو انسانی سماج کو

ایک گُمبد کے سانچے میں ڈھال دینا چاہتے تھے۔ یہی اُنکے سوراج کا اصلی رُوپ تھا۔

جس طرح باپو کے ہتیاروں اور سادھنوں کا اصلی روپ درشانے کے لیئے ہم نے گوسوامی تلسی داس جی کی مدد لی ہے اُسی طرح گاندھی جی کے سوراج کا سچا رُوپ درشانے کے لیئے بھی ہم تلسی داس جی سے ہی مدد لینا چاہتے ہیں۔ راون کو جیتنے کے بعد رامچندر جی نے جو راج قائم کیا اسکا چتر گوسوامی جی نے نیچے کے شبدوں میں کھینچا ہے۔

دوہا۔۔۔ ورناشرم نج نج دھرم، نرت وید پتھ لوگ

چلہیں سدا پاوہیں سُکھ نہیں بھے شوک نہ روگ

چوپائی۔۔۔ دےہک، دَےوِک، بھوتِک تاپا

رام راج نہیں کاہو ہیں ویاپا

سب نر کرہیں پرس پر پریتی

چلہیں سو دھرم نرت شُرتی ریتی

چارِہو چرن دھرم جگ ماہیں

پوری رہا سپنے ہوں اگھ ناہیں

رام بھگت رت نر ارو ناری

سکل پرم گتی کے ادھیکاری

الپ مرتیو ناہیں کوئی اُو پیرا

سب سندر سب نرج شریرا

نہیں دیدر کوئی دُکھی نہ دینا

نہیں کوئی ابُودھ نہ لچھن ہینا

سب نردمبھ، دھرم رت پُنی

نر ارو نارہ چتُر سب گُنی

سب گُنگیہ پنڈت سب گیانی
سب کرتگیہ نہیں کپٹ سیانی
سب اُدار سب پر اُپکاری
وپر چرن سیوک نر ناری
ایک ناری ورت رت سب جھاری
تے من وچ کرم پتی ہتکاری
دوہا — ونڈ یتیھہ کر بھید جہنر، نرتک نرتیہ سماج
جیت ہوں منی اس سُنئے جگ، رامچندر کے راج

باپو رام راج کا نام بہت لیا کرتے تھے۔ رامائن سے اُنھیں اتھاہ پریم تھا۔ وہ اُسے بار بار سُنا کرتے تھے۔ اسلئے بہت ممکن ہے کہ جس سوراج کو باپو رام راج بتاتے تھے اُس پر تلسی داس جی کے اس چترکی گہری چھاپ ہو۔

اس میں کوئی عجیب بات بھی نہیں ہے، کیونکہ اگر ہم اس چتر میں سے کُونیا کے النکاروں کو الگ کر دیں تو اس چتر میں اور دنیا کے دوسرے آدرش راج کے اچھے سے اچھے چتروں میں جو آج کل چالو ہیں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ پرجاتنتر یعنی جمہوریت کا نام رٹنے والے، ایسے ہی سماج وادی یعنی سوشلسٹ اور عامیہ وادی) یا کمیونسٹ سب کے سب سوراج کو اپنے اپنے ڈھنگ سے جو آخری اور سب سے اونچا روپ دیتے ہیں، وہ تلسی داس جی کے اس چتر سے بہت الگ نہیں ہے۔ یہ سب چتر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ ان دونوں طرح کے چتروں میں ایک بڑا فرق بھی ہے۔ پچھمی نیتا سوراج کے اپنے سب چتروں میں، بھَوتِکتا یعنی مادّہ پرستی کو اور باہو بل کو سب سے بڑی جگہ دیتے ہیں۔ وہ باہو بل کو ہی یعنی ہتھیاروں اور جسمانی طاقت کو ہی سماج کی رکشا، اُس کے سدھار اور اس کی ترقی کا سب سے بڑا سادھن بتاتے ہیں۔ دین دھرم یا نیکی بدی اور ایمانداری کی ان کے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ اس کے خلاف باپو دین دھرم اور نیکی بدی پر ہی سارا زور دیتے ہیں۔ رام راج کا جو چتر ہم نے اوپر دیا ہے۔ جیسے ہم نے باپو کا سپنا بتلایا ہے اُسے اگر ہم دھیان سے دیکھیں تو اُس میں یہی بات دکھائی دے گی۔ ہم نے جو دس بارہ چوپائیاں چنی ہیں اُن میں دھرم کا اصلی رُوپ ہی طرح طرح سے دکھایا گیا ہے — جیسے —

نج نج دھرم نرت ....

چلہیں سودھرم رت ....

چاری ہوں چرن دھرم جگ ماہیں،

سکل پرم گتی کے ادھیکاری ۔

.... نہ لچھن ہینا

.... سب نر دمبھ دھرم رت پونی

سب کرتگیہ نہیں کپٹ سیانی .... سب پر اُپکاری

ایک ناری ورت رت ....

دھرم کے چار چرن جن کی اوپر بات آئی ہے یہ ہیں — دان، تپسیا گیان اور دیا۔ باپو نے انھیں پر وہ سارے تعمیری کام چلائے،

ہیں جو وہ سمے سمے پر سوراج لینے کے لئے ضروری بتاتے تھے۔
دھرم میں باپو نے ایک بہت بڑی اور معرکے کی چیز اور بڑھائی ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ نیکی کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ ہماری نیت
ٹھیک ہو اور جس مقصد تک ہم پہنچنا چاہتے ہیں وہ پاک
اور اچھا ہو، یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ جن طریقوں اور سادھنوں
سے ہم اس لکش تک پہنچنے کی کوشش کریں وہ طریقے اور سادھن
بھی شُدھ اور پاک ہوں۔ باپو کا کہنا تھا کہ ناپاک سادھن آدمی
کی نیت اور لکش دونوں کو ناپاک بنا دیتے ہیں۔ اس لئے کوئی
ناپاک یا گرا ہوا سادھن جلدی میں یا عملی نگاہ سے کتنا ہی کام کا کیوں
نہ معلوم ہوتا ہو انت میں وہ ہمیں نقصان ہی پہنچا دے گا۔

ستیہ اور اہنسا

باپو نے سچائی اور اہنسا کو سداچار کا بنیادی اصول مان لیا تھا۔
اسلئے انھوں نے اس پر زور دیا کہ ہمارے کام کرنے کے سب ڈھنگ
اور سادھن بھی ستیہ اور اہنسا کی کسوٹی پر کھرے اُترنے چاہئیں۔ باپو اسے
بہت ضروری سمجھتے تھے۔ کہیں کسی صورت اور کسی حالت میں بھی وہ
ان باتوں میں کبھی کچے پن کو گوارا نہیں کرسکتے تھے۔ ہم اسے ناممکن کہہ
دیں یا دیوہار اور اصلیت کے وِردّھ مانیں، پر باپو کا یہی
اٹل دشواس تھا اور دنیا میں یہی اُن کی سب سے بڑی وشیشتا تھی۔
جس شان اور ہمّت کے ساتھ اس بات کو اُنھوں نے اپنے جیون
اور اپنی سب یوجناؤں میں عملی جامہ پہنایا اور نبھایا اُس
کی مثال دنیا کے بڑے سے بڑے لوگوں کی زندگیوں میں ملنا

کٹھن ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ۳۰ سال تک ۴۰ کروڑ لوگوں کی لگاتار اگوائی کرتے ہوئے ہمالیہ کی طرح انوکھے اصول پر خود اٹل روپ سے جمے رہنا اور اپنے سارے دیش کو اور سنسار کو صاف شبدوں میں اسی پر جمے رہنے کے لئے کہتے اور بڑھاوا دیتے رہنا اتہاس کی ایک ایسی نئی گھٹنا ہے جس نے ساری دنیا کے ماتھے کو اتھاہ پریم اور آدر کے ساتھ اُن کے سامنے جھکا دیا۔ مانا کہ عملی روپ میں اُن کے دیش نے یا سنسار نے اس اونچے سدھانت کو نہیں اپنایا، پر اس میں بھی شک نہیں کہ یہ سدھانت اٹل اور امر ہیں اور باپو میں جو کچھ آتم بل تھا وہ اسی سدھانت کو اپنی جیون کا مول آدھار بنا لینے کی وجہ سے تھا۔ جہاں تک اُن کے ہاڑ مانس کا سمبندھ ہے اُن میں کوئی انوکھا پن نہیں تھا۔ اُن کے جیون میں اگر کوئی انوکھا پن تھا تو یہی تھا کہ وہ ان سدھانتوں پر اٹل روپ سے جمے رہتے تھے، اور چھوٹا بڑا کوئی کام اُن کے خلاف نہ کرتے تھے۔ اسلئے ان کے سدھانتوں کی قدر نہ کرنا اور اُن کے ہاڑ مانس کو پوجنا ایسا ہی ہے جیسا ایشور کو چھوڑ کر مٹی کو پوجنا۔

باپو کے سامنے سوراج کا جو روپ تھا اور جو جگہ ستیہ اور اہنسا کے اصولوں کو انسانی زندگی میں وہ دینا چاہتے تھے، وہ دنیا کی آجکل کی ہوا کے بالکل خلاف تھی۔ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ باپو ایک بڑے انقلاب کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ سو آنکھ کھولتے ہی انھوں نے دیکھا کہ دنیا کے اتہاس میں پہلی بار ایک ایسی نئی سبھیتا نے یورپ کے دیشوں میں جنم لیکر ساری دنیا پر قابو پا لیا تھا جو اپنے آدرشوں، اصولوں

اور یوجناؤں میں پرانی ایشیائی سبھیتاؤں سے بالکل الٹی تھی۔ پرانی سبھیتائیں دین دھرم اور انسانیت کے آدرشوں کو سامنے رکھ کر چلتی تھیں اور نیکی بدی، دوسروں کا بھلا، تیاگ، سیوا، سچائی، ایمانداری اور اہنسا جیسے اصولوں کو انسانی زندگی کے سب سے انمول رتن مانتی تھیں۔ ان سبھیتاؤں کا ایک ہی لکش یا مقصد رہتا تھا اور وہ یہ کہ جس طرح بھی ہوسکے انسانی زندگی میں ان اچھائیوں کو بڑھایا اور عملی روپ دیا جاوے! سماج سدھار اور سماج کی رچنا کا سارا کام انھوں نے اپنے رشیوں، منیوں، نبیوں، ولیوں، اللہ والوں اور ایشور بھگتوں کے ہاتھوں میں سونپ رکھا تھا۔ ایسے لوگوں کی ہی وہ سنستھائیں ہوتی تھیں اور انھیں کے وہ ادارے ہوتے تھے جو انسانی سماج کو دھرم اور نیکی کے ٹھیک راستے پر رکھنے کا کام کرتے تھے۔ راج کاج کو اور راج کاج میں لگے ہوئے لوگوں کو وہ ایک طرح سے ویسا ہی سمجھتے تھے جیسا تھرائی چمار، بھٹیارا بنانے والے یا اسی طرح کے پیشوں کے لوگوں کو۔ اسی لئے دین دھرم کی باتوں میں یا سماج رچنا یا سماج سدھار کے کاموں میں راجا کو یا راج کاج والوں کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ ان کا کام کیول دیش کی رکشا کرنا اور سماج کی جو بن پڑے سیوا کرنا ہی تھا۔

پچھمی سبھیتا

پچھمی سبھیتا اپنے یہاں کے دھرم مذہبوں سے گھور یدھ کرکے اور ان کو مٹا کر اپنے سنگھاسن پر بیٹھی تھی۔ اس سبھیتا میں

راج کاج ہی سب سے بڑی چیز تھی ۔ اس لئے پچھمی سبھیتا میں دھرم کے اُن چار چرنوں یعنی دان، گیان، دیا اور تپ کو، جن پر پرانی سبھیتاؤں نے اپنی ساری عمارت کھڑی کی تھی، کاٹ کر پھینک دیا اور اُنکی جگہ چار ایسی چیزوں کو دی جنھیں پُرانی سبھیتا نے کیول راج کاج تک ہی رہنے دیا تھا، یعنی سام، دام، دنڈ اور بھید ۔ پُرانی سبھیتاؤں نے ان چاروں کو راج کاج میں بھی آدھے من سے ہی رہنے کی اجازت دی تھی ۔ یہ چاروں اصول ستیہ اور اہنسا سے ٹھیک اُلٹے تھے اسلئے دھرم کے میدان میں راج کاج نیچا سمجھا جاتا تھا۔

پچھمی سبھیتا نے انسانی سماج کے اس پُرانے طریقے کو اُلٹ دیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے سماج کی کایا پلٹ گئی سماجی زندگی کے ہر پہلو میں گراوٹ، بے چینی، ایک دوسرے سے ڈاہ، دشمنی اور طرح طرح کے ستیاناشی اُلٹ پھیر ہونے لگے ۔ پچھم کے بے دین سائنس والوں نے پرکرتی یعنی قدرت کی نئے سرے سے چھان بین کی اور انسانی زندگی کو متھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قدرت کا سب سے اٹل قانون یہی ہے کہ جس میں طاقت یا پُرشارتھ ہے وہی زندہ رہ سکتا ہے ۔ اسی اصول کو "سروائول آف دی فیٹسٹ" کہتے ہیں ۔ پُرانی سبھیتائیں دھرم، سدا چار، ستیہ، اہنسا، دوسروں کا بھلا کرنا، سیوا، پریم، نمرتا، چھما، دھیرج جیسی چیزوں کو ہی سچے پُرشارتھ کی بنیاد سمجھتی تھیں ۔ پچھم نے اس کے خلاف باہو بل، بے دردی، خودغرضی آپا دھاپی اور ایک دوسرے سے ڈاہ کو انسانی سوبھاؤ کے بنیادی اصول مان کر انھیں پہ سارے سماج کو قائم کرنا چاہا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول، جسے جنگل کا قانون کہتے ہیں، سبھیہ انسانوں کی زندگی کا اصول بن گیا۔

پچھمی سبھیتا کا یہ سارا رخ اور یہ دیوہار انسانیت سے گرا ہوا اور انسانی سماج کو مٹا دینے والا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ پچھم کے نئے دارشنکوں اور فلسفیوں نے "وَسودَھیو کُٹمب کم" کی جگہ ایک اور نیا اصول گڑھ ڈالا۔ اس کا نام رکھا "دی گریٹسٹ گڈ آف دی گریٹسٹ نمبر" (یعنی زیادہ سے زیادہ آدمیوں کا زیادہ سے زیادہ بھلا) اس نئے اصول نے انسانی سماج کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور سب کے بھلے کی جگہ قوموں، ملکوں، فرقوں، سمپردایوں، جاتیوں، پارٹیوں اور اپنے اپنے گُٹوں کی بھلائی پر زور دیئے جانے کی بنیاد ڈالی۔ سوارتھ اور خودغرضی ایک قدرتی اور جائز چیز سمجھی جانے لگی۔ اس طرح پچھمی راج نیتی نے دنیا میں اس طرح کی سیکڑوں الگ الگ سنگیتوں کا ایک سلسلہ جاری کر دیا جو ایک دوسرے کو کاٹنے اور ساری دنیا کو وناش اور بربادی کی طرف لے جانے لگیں۔ پرانی سبھیتا نے اپنی سمجھ میں اس طرح کی طاقتوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ اب اس مردے میں ایکبارگی پھر سے جان پڑ گئی۔ پرانی سبھیتا اپنے کو بے بس سمجھنے لگی۔ یہ نئی شیطانی بیماری مہاماری کی طرح ساری دنیا میں پھیلنے لگی۔ پچھمی سبھیتا کے رُوپ میں اس نے ساری دنیا پر سکّہ جما لیا۔ یہ مہاماری امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ، جس دیش میں بھی پہنچی وہاں کے پرانے رہنے

والوں کی نسلوں کی نسلیں اس نے مٹا ڈالیں۔ جو تھوڑے سے ادھر سے بچ گئے اُنھیں ڈیونڈ مگریشنر کے بیچ کچھ عجائب گھری نمونے بنا دیا۔ کروڑوں انسان اپنے گھروں اور اپنے دیش میں امن سے رہتے ہوئے بھی ناپید کر دئے گئے۔ کچھ کی بابت جو زیادہ سخت جان ثابت ہوئے جیسے افریقہ کے کافر، یہ شکایت کی گئی کہ وہ "ابھی تک مٹنے سے انکار کر رہے ہیں!" نئی سبھیتا کے بڑے بڑے ودوانوں اور گیان کاروں نے انکے مٹتے جانے کا کارن یہ بتلایا کہ "اُن میں سبھیتا کی ٹکر کو برداشت کرنے کی شکتی ہی نہیں رہ گئی تھی ــ اسلئے اُنھیں کوئی مٹنے سے بچا نہیں سکتا تھا۔"

اس نئی شیطانی سبھیتا نے تجارت کو جیون کا سب سے بڑا لکش بتایا۔ پرانی سبھیتاؤں نے تجارت کو تیسرے درجے پر رکھا تھا۔ پہلے برہمن دوسرے راجا اور تیسرے ویش۔ اس اُلٹے پن کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجا سے لے کر دربان تک اور جنتا کا ہر آدمی بیوپاری بن گیا۔ گاؤں کے لوگ سمٹ سمٹ کر شہروں میں ۶۰ فی صدی اور ۸۰ فیصدی تک آ پہنچے۔ گاؤں کی ساری زندگی ملیا میٹ ہو گئی۔ بڑے بڑے ڈراؤنے کارخانوں اور کوئلہ کھانے اور دھواں اگلنے والی چمنیوں نے جنم لیا۔ مشین راج کی بنیادیں گہری اور مضبوط پڑ گئیں۔ ان بڑے بڑے کارخانوں کی پیداوار کو کھپانے کے لئے نئے نئے بازاروں اور منڈیوں کی ضرورت ہوئی۔ دُنیا بھر کے بازاروں پر قبضہ جمانے کے لئے بندوقوں، توپوں، گولوں، زہریلی گیسوں اور ایٹم بموں کی ضرورت پڑی۔ بڑی بڑی جنگی سینائیں بنیں جنکی مدد سے

پچھمی سامراج شاہی نے دنیا بھر پر اپنا قبضہ جما لیا۔

اس بڑھتے ہوئے بیوپار، بڑھتی ہوئی تجارت اور پھیلتے ہوئے سامراج کو بنائے رکھنے کے لیے بھلائی برائی کے بھی نئے نیم گڑھنے پڑے۔ پچھم کے پنڈتوں نے اس کے لئے ایک اور نیا اصول، ایک نیا ایٹم بم تیار کیا۔ یہ نیا ایٹم بم یہ ہے — All is Fair in Love And War یعنی پریم میں اور لڑائی میں، ان دونوں میں جو کچھ بھی کر لیا جائے، جائز ہے۔ اس نئے دیوتا کی پوجا کے لئے نئے مندروں کی ضرورت پڑی۔ پچھمی سبھیتا کے ان پنڈتوں نے ویوہارکتا (پریکٹیکل ازم) اور واستوکتا (ریل ازم) کے بڑے بڑے اور شہرت کے مندر بنانا اور ان مندروں کی بیدی پر دھرم کے چاروں چرنوں دان، گیان، دیا اور تپ کی قربانی دینا شروع کر دیا۔ اس طرح پرانی سبھیتا کے اونچے سے اونچے سدھانتوں کو کھوکھلے پن کہہ کر انھیں مٹا دیا اور اپنے شیطانی ناچ کے لئے دنیا کا میدان صاف کر لیا۔

اس نئی سبھیتا نے اپنے سے باہر کے سب دیشوں کو دو حصوں میں بانٹا۔ ایک اسبھیہ اور دوسرے اردھ سبھیہ یعنی ایک جنگلی اور دوسرے نیم جنگلی۔ نیم جنگلی دیشوں میں انھوں نے چین اور ہندستان کو شامل کیا۔ جنگلی دیشوں کے لوگوں کو مٹا کر ان کی زمینوں، کھانوں اور جنگلوں پر انھوں نے قبضہ کیا اور نیم جنگلی قوموں کو پوری طرح سبھیہ بنانے کے لئے ان کو اپنے ادھین کیا۔

ہندستانی سبھیتا اتہاس کے شروع سے لیکر ہمیشہ باہر کے لوگوں، راجاؤں، قوموں، مذہبوں اور سبھیتاؤں کا دل سے سواگت کرتی رہی تھی۔ ہر پردیسی یہاں سے پیار دیا اور پریم کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ یہ دیش دنیا بھر کے دکھیوں کا، چاہے وہ کسی دیش، دھرم یا سمپردائے کے ہوں، مہمان گھر بنا ہوا تھا۔ اندر یا باہر کسی کو دکھ پہنچانا یہ اپنے دھرم کے خلاف سمجھتا تھا۔ اس دیش نے سدا سب کے ساتھ اس کا سا پریم رکھا۔ اسی پریم کے بل پر اس نے گوروں کو اپنی سبھیتا کے گہرے رنگ میں رنگ کر حیوانوں کو انسان، ظالموں کو پیار اور ادھرمیوں کو دھرمی بنا دیا۔ پر پچھم کے مہمانوں پر اپنا سب کچھ نچھاور کرکے بھی ہمارا دیش انھیں اپنا نہ بنا سکا۔ ان کا لٹیرا اور جونکوں کا سا روپ آخر تک جیسے کا تیسا بنا رہا۔

اس دیش کے راجاؤں نے اپنے باہو بل سے پچھم کے حملے کا مقابلہ کیا۔ باہو بل ہندستانی سبھیتا نہیں تھی۔ مہاتما بدھ کے بعد ہماری سبھیتا نے باہو بل کو راج کاج سے بھی باہر نکال دینے کی کوشش کی تھی۔ ہماری سبھیتا اپنی انوکھی دھرمی اور روحانی لہروں سے سدا سارے سنسار کو سینچتی اور لہلہاتی رہی تھی۔ اگر اس دیش کی سبھیتا پچھم سے کہیں بڑھ کر ڈراؤنی زہریلی گیسوں اور ایٹم بم بنا کر ان کے ذریعے پچھم کو جیت لیتی تو اس سے یورپ کا ناش تو ہوتا یا نہ ہوتا اتنا ضرور ہوتا کہ ہماری سبھیتا دنیا کے لئے یورپ کی سبھیتا سے بھی زیادہ خطرناک بن جاتی۔ اس کا دوسرا کوئی

نتیجہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ہمارا دیش اس راستے پر پڑ جاتا تو ہماری سبھیتا کا پاک مشن، اُس کا انوکھا اور اونچا آدرش سدا کے لئے ختم ہو جاتا۔ پچھم کی غلامی سے آزاد ہونے کی جگہ وہ اننت سمے کے لئے اُس کی غلام اور باندی بن جاتی۔ ہماری سبھیتا کی آتما اسے نہیں سہہ سکتی تھی۔ اس لئے اسے پچھم کے مایاوی جنجال، وہاں کی مادہ پرستی کو چھوڑ کر، فوجوں، توپوں، گیسوں اور بموں کی مدد نہ لے کر، اپنی آدھیاتمک اور نیتک یعنی روحانی اور اخلاقی گہرائیوں میں غوطہ لگانا پڑا۔ ہماری سبھیتا نے دو سو برس تک ان گہرائیوں کا منتھن کیا۔ اُس نے اپنی ان پرانی شکتیوں کو جگایا جن کا رام چندر جی نے وی بھیشن کو بیوہ را دیا تھا۔ ان شکتیوں کو وہ روپ دے کر جس سے وہ ساری دنیا کو ان نئی آفتوں سے بچا سکیں، ہماری سبھیتا نے اور ہمارے دیش نے مہاتما گاندھی کو جنم دیا اور انھیں ان شکتیوں کے تجربے کرنا سکھلایا۔ باپو ہندستانی سبھیتا کے دھرم، پریم اور اُس کی روحانیت کے ساکشات اوتار تھے۔ وہ اُن کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ سنسار کی سیوا کرنا اس دیش کا سدا سے پاک مشن رہا۔ اس مشن کو پورا کرنا ہی مہاتما گاندھی کا کام تھا۔

پچھمی سبھیتا اور باپو

باپو کو پچھمی سبھیتا کے اس بیدینی پن اور اسکی حیوانیت سے

بڑی نفرت تھی ۔ انھیں ڈر تھا کہ اگر انگریزی راج چلا گیا اور پچھمی
سبھیتا اس دیش میں رہ گئی تو اننت کال کے لیے دیش کو اس
سبھیتا کی غلامی میں رہنا پڑیگا ۔ کیونکہ پچھمی سبھیتا کے رنگ میں رنگا
ہوا دیشی راج اگر ایک بار دیش میں جم گیا تو اُسکی جڑیں بدیشی
راج کی جڑوں سے کہیں زیادہ گہری پڑ جائیں گی ۔ اس لئے گاندھی
جی کو حاکموں کے کالے یا گورے ہونے کی اتنی چنتا نہیں تھی جتنی
اس بات کی کہ جو راج بھی ہو وہ دیش کے پُرانے سچے دھرم، پن
اور نیکی کی بنیادوں پہ قائم ہو ۔

پچھمی سبھیتا کے اس اصول کو کہ "پہلے اپنی اِچھاؤں اور
ضرورتوں کو بڑھاؤ اور پھر اُنھیں پورا کرنے میں اپنی ساری شکتی
لگا دو" باپو سہہ نہیں سکتے تھے ۔ وہ یہ دیکھتے تھے کہ اسی تعلیم نے
پچھم میں بھوگ ولاس اور عیش پرستی کا وہ طوفان کھڑا کر دیا ہے جس
کے رہتے آدمی اپنا اصلی بھلا بُرا سمجھ ہی نہیں سکتا ۔ جب تک یہ طوفان
شانت نہ ہو دنیا کی مصیبتیں دور نہیں ہو سکتیں اور نہ دنیا کو سکھ
شانتی مل سکتی ہے ۔ وہ سمجھتے تھے کہ دل دماغ اور آچار وچار کی غلامی
تن کی اور دھن کی غلامی سے کہیں زیادہ بُری اور خطرناک ہے ۔ سچ یہ
ہے کہ من کی غلامی میں رہ کر تن کی غلامی کی جڑیں گہری جاتی ہیں اور
اور پکی ہو جاتی ہیں ۔ کسی نے ایک بار باپو سے پوچھا کہ آپ کے اور
پنڈت نہرو کے راج کاجی وچاروں میں کیا انتر ہے ۔ انھوں نے جواب دیا
کہ "بہت تھوڑا سا انتر ہے! پنڈت جواہر لال جی چاہتے ہیں کہ انگریز
دیش سے چلے جائیں اور انگریزیت رہ جائے میں چاہتا ہوں کہ انگریزیت چلی
جائے انگریز رہ جائیں!" اس سے باپو کے ٹھیک ٹھیک وچاروں کا پتہ چلتا ہے

اپنے "ہند سوراج" میں اُنھوں نے پچھمی سبھیتا کے بارے میں اپنے وچار صاف صاف دئے ہیں۔ ہم انھیں کے شبدوں میں نیچے دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں ــــ

"آج کل کی سبھیتا کے موہ جال میں پھنسے ہوئے لوگ بھلا اُس کے خلاف کیوں لکھیں گے؟ وہ تو اُلٹے ایسی باتیں اور دلیلیں کھوجنے کی کوشش کریں گے جن سے اُن کی باتوں کا سمرتھن ہو۔ پہلے تو ہمیں اس پر وچار کرنا چاہیے کہ اس سبھیتا کی خاص پہچانیں کیا ہیں۔

"ایک سچی پہچان تو اس کی یہ ہے کہ آج کل سبھیہ کہلانے والے لوگ تن کے سکھ کو ہی اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد مانتے ہیں۔

"کسی دیش کے لوگ اگر پہلے بہت کپڑے اور کوٹ بوٹ پہننے کے عادی نہیں تھے اور پھر انگریزی کپڑے پہننے لگے تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ جنگلی پن سے نکل کر اب سبھیہ ہونے لگے۔

"یورپ کے لوگ پہلے ہاتھ سے کام کرتے تھے اور معمولی ہل سے اپنے کام کے لائق کھیت جوت لیتے تھے۔ اب بھاپ کی مشینوں کے سہارے ہل چلاکر ایک ہی آدمی سیکڑوں بیگھے زمین جوت ڈالتا ہے اور بہت سا اَن پیدا کر سکتا ہے۔ یہ بڑھی ہوئی سبھیتا کی پہچان سمجھی جاتی ہے۔

"پہلے بیل گاڑیوں پر دن بھر میں ۱۲ کوس کی منزل طے ہوتی تھی اب ریل گاڑیوں میں دن بھر میں لوگ ۴۰۰ کوس کی اڑان مارتے ہیں۔ یہ سبھیتا کا بڑا اونچا درجہ مانا جاتا ہے۔

"کہتے ہیں کہ بڑھتے بڑھتے جلدی ہی وہ دن آوے گا، جب لوگ ہوائی جہازوں پہ سوار ہوکر دو چار گھڑی میں ہی جس دیش میں چاہیں پہنچ جاویں گے۔

"بٹن دباتے ہی پہننے کے کپڑے سامنے آ جائیں گے، دوسرا بٹن دباتے ہی تازہ اخبار سامنے آ جائے گا، تیسرا بٹن دباتے ہی ہوا کھانے کے لئے موٹر آ کھڑا ہوگی، اشارہ کرتے ہی طرح طرح کے کھانے پروسے ہوئے سامنے آ جائیں گے۔ مطلب یہ کہ مشین کے بل پہ چھوٹے بڑے سارے کام سہج ہی میں اپنے آپ ہونے لگیں گے۔

"پہلے لوگ جانوروں کی کھال پہنتے تھے اور بھالے برچھی سے لڑتے تھے، آج لوگ بھالے برچھی کی جگہ ایک پر ایک چھ گولیاں چلانے والے پستول رکھتے ہیں۔

"پہلے لوگ جب لڑتے تھے تو گتھم گتھا ہو جاتے تھے۔ اب پہاڑ کی آڑ میں مشین گن کے پیچھے کھڑا ہوا ایک آدمی ملیک مارتے مارتے ہزاروں کی جان لے سکتا ہے۔ یہی سبھیتا ہے۔

"پہلے لوگ آزادی کیساتھ جب جی چاہا کھلی جگہوں میں کام دھندے کرتے تھے۔ اب ہزاروں آدمی جمع ہوکر اپنا پیٹ پالنے کیلئے بڑے بڑے کارخانوں اور کھانوں میں کام کرتے ہیں۔ انکی حالت جانوروں سے بھی گئی بیتی ہے۔ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بڑے جوکھم کے کاموں میں انھیں پلنا پڑتا ہے اور وہ بھی کروڑ پتی ساہوکاروں کی جیبیں بھرنے کے لئے۔

"پہلے لوگوں کو مار مار کر زبردستی غلام بنایا جاتا تھا آج انھیں دھن اور دھن سے ملنے والے عیش آرام کا، لالچ

بیٹھ کر غلام بنایا جاتا ...... ہے ادھک کیا کہوں .... یہی سبھیتا کی پہچانیں ہیں اور اگر کوئی ان باتوں کو سبھیتا کی پہچان نہ مانے تو اُسے نرا اناڑی مانا جاتا ہے۔

"یہ سبھیتا نہ تو دین دھرم کا وچار کرتی ہے اور نہ نیکی بدی پر دھیان دیتی ہے۔ اس سبھیتا کے حمایتی بڑی گمبھیرتا کے ساتھ کہہ ڈالتے ہیں کہ دین دھرم سکھانا ہمارا کام نہیں ہے!

"ہندستان میں جہاں یہ پاگل سبھیتا نہیں پہنچی ہے وہاں اپنی ویسی ہی حالت ہے جیسی کبھی پہلے تھی۔ جن لوگوں کو دیش کی لگن ہو انھیں میں یہ صلاح دوں گا کہ آپ پہلے اپنے دیش کے اُس حصّے میں جائیے جہاں ابھی تک ریل کی پہنچ نہیں ہوئی ہے اور چھ مہینے تک وہیں گھوم پھر کر سچی دیش بھگتی اپنے اندر پیدا کریئے۔ اس کے بعد سوراج کی باتیں کریئے گا۔

"یہ سبھیتا ایسی ہے کہ اگر ہم دھیرج رکھیں تو انت میں اس سبھیتا کی آگ سلگانے والے خود ہی اس میں جل مریں گے۔

"اسلام کی نگاہ سے اس سبھیتا کو شیطانی سبھیتا کہنا ہوگا، اور ہندو دھرم نے اسے گھور کلجگ کہہ کر بیان کیا ہے۔"

پچھمی سبھیتا کا اتنا سندر چتر باپو کے لیکھوں میں ہم نے اور کہیں نہیں دیکھا۔ جو بھوشیہ وانی باپو نے اس میں کی ہے کہ اس سبھیتا کی آگ سلگانے والے آپ ہی اس میں جل مرینگے، اسے کہے ابھی ۴۰ برس ہی ہوئے ہیں۔ پر اتنے تھوڑے سمے میں انھوں نے اور ہم نے اس اتنی بڑی سبھیتا کو خود اپنی آگ میں جلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ باپو کوئی جوتشی نہیں تھے۔ انھوں نے

یہ سمجھ شبیہ بانی نیکی اور بدی کے بڑھنے گھٹنے اور ایک دوسرے پر ان کے اثر کو دیکھ کر اور ان کے نتیجوں کو سامنے رکھ کر بالکل ایک وگیانی کی طرح حساب لگا کر کی تھی۔ ہمیں مادّی سائنس میں یعنی اوپر کے جڑ جگت اور اُس کی کھوج کرنے والے لوگوں کے بتائے ہوئے نیموں اور قانونوں میں شردھا ہے، اس لئے کہ ان نیموں کے نتیجے صاف اور اُسی سے دکھائی دے جاتے ہیں۔ پر ادھیاتم یعنی روحانی ودّیا کے جاننے والوں نے نیکی بدی کی طاقتوں کے تجربے کرکے اور انکے اثر اور نتیجوں کو دنیا میں دیکھ کر جو نیم اور قانون بنا دیے ہیں اُن پر ہمیں اتنا بھروسہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے نتیجے ذرا دیر میں نکلتے ہیں اور ان کا سمبندھ باہر کی چیزوں سے کم اور ہمارے اندر کے جیون سے ادھک ہے۔ وگیان یا سائنس کی نگاہ سے اس سے بڑی بھول ہم نہیں کر سکتے۔ پھر بھی ہمیں اپنے سائنسداں ہونے کا ابھیمان ہے! جب تک ہم ان نیموں کی اصلیت کو اور اُن کے اٹل ہونے کو نہیں مانیں گے اور اپنے سب کاموں، بیوپار، دیوہار اور راج کاج کو انھیں نیموں پر اور ان کا دھیان رکھتے ہوئے نہیں ڈھالیں گے تب تک دنیا کی کوئی طاقت ہمیں دکھوں اور بربادی سے نہیں بچا سکتی۔

پارلیمنٹری راج

ہم باپو کے خاص خاص اصولوں کو بیان کر چکے۔ اِس حصّے کو ختم کرنے سے پہلے اب ہم پارلیمنٹری راج کے سمبندھ میں باپو کی رائے اور دے دینا چاہتے ہیں، کیونکہ ہم سمجھتا ہے اُسکا گہرا سمبندھ ہے اور گاندھی جی نے اپنے ودھان میں اس

پارلیمینٹری راج کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ پچھم کی اس سبھیتا نے ہی آج کل کے پارلیمینٹری راج کو جنم دیا ہے۔ اسلئے اس پارلیمینٹری راج میں اپنی جنم دینے والی ماں کے سارے عیب کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ یہ پارلیمینٹری راج کب سے اور کیسے چلا۔ اس کا جنم انگلستان میں ہوا تھا۔ انگلستان کے راجا نے جنتا پر اپنا ادھیکار جمائے رکھنے اور جنتا سے ادھک سے ادھک ٹیکس وصول کرنے کے لئے اُس دیش میں پارلیمینٹری راج چلایا تھا۔ دھیرے دھیرے پارلیمینٹ کا بل بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اس نے دیش کے راجا کا گلا کاٹ کر اُس کی گدّی لے لی۔ انگلستان کی دیکھا دیکھی اس طرح کے الٹ پھیر تھوڑے سے سمے کے اندر لگ بھگ سارے یورپ میں ہونے لگے اور پارلیمینٹری راج کا سکّہ ساری دنیا پر جم گیا اور آج بھی جما ہوا ہے۔

دنیا کے عام لوگوں میں پارلیمینٹری راج کی اتنی چاہ کیوں ہے اس کا کارن یہ ہے کہ یہ راج عام جنتا کا راج سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے ہر دیش کی جنتا پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے دوڑتی ہے اور خوشی خوشی اسے اپنے راجا کی جگہ دے دیتی ہے۔ اس میں جنتا اس طرح راجا بنائی جاتی ہے کہ لاکھوں آدمی اپنا ایک پرتی ندھی یا نمائندہ یا اودیا چنتے ہیں اس لئے کہ وہ ان کی اوپر سے راج کرے۔ ان لاکھوں آدمیوں میں سے ۱۰۰ پیچھے ۹۵ نہ اُسے جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں۔ پھر بھی وہ اُن کا نمائندہ مانا جاتا ہے۔ چنے جانے کے بعد یہ نمائندہ

ان کی بات بھی نہیں پوچھتا، نہ انھیں کوئی اصلی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ کیوں کہ وہ تو اسی طرح کے تین چار سو نمائندوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اس طرح ایک راجہ کی جگہ تین چار سو راجہ اور منتریوں یا وزیروں کی شکل میں دس بیس مہاراجہ یا سمراٹ بن جاتے ہیں۔ اور جنتا بیچاری ویسی کی ویسی "پرجا" ہی رہ جاتی ہے۔ راج کاج چلانے کا خرچ پہلے سے سیکڑوں گنا بڑھ جاتا ہے۔ سرکاری نوکروں کی گنتی، تنخواہیں اور بھتے الگ بڑھ جاتے ہیں۔ ان نوکروں اور افسروں کی تانا شاہی میں فرق نہیں آتا، شان شوکت کے آڈمبر پرانے سمراٹوں کو بھی شرماتے ہیں اور یہ کہلاتا ہے جنتا کا راج!

پارلیمنٹی راج اور باپو

باپو اس سارے مایاوی پرپنچ کو جو چھوٹی جنتا کو راجا بننے کا دھوکہ دے کر اس کے سر بے حساب چڑھتے جانے کا راستہ کھول دیتا ہے، جڑ سے بدل دینا چاہتے تھے۔ باپو اپنے کو سچا ڈیموکریٹ یعنی سچا لوک تنتری کہتے تھے۔ ڈیموکریسی یعنی لوک راج کا ان کے سامنے ایک ہی روپ تھا اور وہ یہ تھا کہ جنتا نام کے لئے نہیں بلکہ سچ مچ آپ اپنی راجا ہو اور اپنا سارا کام کاج خود کرے۔ باپو کے سامنے اس کا ایک ہی طریقہ تھا۔ وہ تھا ڈی سینٹرلائزیشن یعنی وکیندری کرن یا غیر مرکزیت، جس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی ساری طاقت کو ایک جگہ جمع نہ کر کے ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹ دیا جاوے۔ دیش کو اتنے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں بانٹ دیا جائے [illegible]

یو جیسے لوگوں کو اپنا اوریا یا راجا بنا سکے ، وہ اوریا یا پنچ اپنے علاقے کی سبھی راج کاجی اور دوسری ضرورتوں کو جنتا کی مدد سے پورا کر سکے اور جھگڑا فساد کرنے والوں سے اپنے علاقے کی رکشا کر سکے۔

پارلیمنٹی راج میں نمائندگی کا ڈھونگ تو ہے ہی ، اس ڈھونگ سے بڑھ کر چناؤ کا ڈھنگ ہے۔ یہ چناؤ کا ڈھنگ جنتا کو چاروں طرف سے ستانے اور برباد کرنے والا ہے۔ اس میں ہر طرح کی بے ایمانی ، دھوکا ، فریب ، جرم ، زیادتی انیائے ، فضول خرچی اور دشمنی کا ایک سوتا کھل جاتا ہے۔ اس چناؤ نے دیش کے دیش برباد کر دئے۔ اس کی برائیاں دنوں دن بڑھتی جا رہی ہیں ، پر اس کے سدھار کی کوئی صورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ باپو اسکے سدھار کا ایک ہی ڈھنگ بتاتے تھے۔ یہ کہ ووٹروں کی جانکاری کو اور ان کے چلن کو ، ان میں نیکی اور بدی ، بھلے اور برے کے بچار کو اتنا اونچا کر دیا جاوے اور ان گنوں کو اپنے اندر بنائے رکھنے کی جنتا میں اتنی شکتی آ جاوے کہ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو ہی ووٹ دے جو نیک ہوں۔ تیاگی ہوں ، دوسروں کی سیوا اور ان کا بھلا کرنے والے ہوں اور جن میں ، ایمانداری سادگی اور نرتا ہو۔ جب تک جنتا میں یہ شکتی پیدا نہیں ہوتی ، تب تک پارلیمنٹی راج جنتا کے لئے راجاؤں کے راج سے زیادہ برا ثابت ہوگا !

جہاں تک دیش کے مرکزی راج کو مضبوط رکھنے کا سوال ہے وہاں تک گاندھی جی تین باتیں چاہتے تھے۔ ایک یہ کہ جنتا کے

نمائندے سداچاری اور تیاگی ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان نمائندوں سے بھی سیوا لے سکنے کی جنتا میں شکتی ہو۔ تیسری یہ کہ انھیں جب چاہے بدل سکنے کا بھی جنتا کو ادھیکار ہو۔ پر آج کل کی حالت میں ان تینوں باتوں کا ہو سکنا نا ممکن ہے اس لئے باپو راج کے اوپری روپ کو اتنی بڑی چیز نہیں مانتے تھے۔ وہ کسی بھی راج کے اچھے بُرے ہونے کی سب سے بڑی کسوٹی یہ مانتے تھے کہ وہ راج دھرم اور نیکی کے راستے پر چلتا ہے یا نہیں، جنتا کا سچا سیوک ہے یا نہیں، سچ مچ اس میں جنتا ہی راجہ ہے یا نہیں۔

پارلیمنٹی راج میں چناؤ سے بھی بڑی چیز اس کی وہ دَل بندی ہے، جسے پارٹی سسٹم کہا جاتا ہے۔ اس راج میں دو پارٹیوں کا ہونا دیش کے فائدے کے لئے ضروری مانا جاتا ہے۔ اس کے بنا پارلیمنٹی راج چل ہی نہیں سکتا۔ کم سے کم دو پارٹیاں تو ہونی ہی چاہئیں جن کا یہ جنم سدھ اور قدرتی حق ہو کہ وہ ایک دوسرے کو گرانے اور مٹانے کی کوشش کرتی رہیں۔ اس طریقے نے مار کاٹ اور خونی انقلابوں کو ضروری بنا دیا ہے۔ اس پارٹی بازی نے سارے دیش کے سداچار کو اور دیش کے اصلی فائدے کو جو دھکا پہنچا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پارٹی بازی دیش بھر میں امر ہو کر گاؤں گاؤں اور کونے کونے میں پھیل جاتی ہے۔ ہر آدمی کا یہ قانونی فرض اور دھرم ہو جاتا ہے کہ وہ نیائے انیائے، سچ جھوٹ یا خود اپنے ایمان تک کا خیال نہ کرتے ہوئے اپنی پارٹی والے کو ہی ووٹ دے۔

ان بُرائیوں کے علاوہ پارلیمنٹی راج میں پچھمی سبھیتا کی طرح بناوٹ، جھوٹ اور فریب بھرا ہوا ہے۔ اس طرح کا راج سر سے

پاؤں تک بُرائی اور حیوانیت میں ڈوبا رہتا ہے۔ اسی لئے باپو کو جتنی نفرت پچھمی سبھیتا سے تھی اتنی ہی پارلیمنٹی راج سے تھی۔ اُنھوں نے اس کے سمبندھ میں بھی اپنی کتاب "ہند سوراجیہ" میں نیچے لکھے شبدوں میں اپنے وِچار ظاہر کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ـــــ

"انگلینڈ کی اِس سمے جو حالت ہے اُسے دیکھکر تو سچ مچ دیا آتی ہے، اور میں تو ایشور سے مناتا ہوں کہ ویسی حالت بھارت کی کبھی نہ ہو۔ جسے آپ پارلیمنٹوں کی ماں کہتے ہیں وہ انگلینڈ کی پارلیمنٹ تو بانجھ اور ویشیا ہے۔ یہ دونوں شبد کڑے ہیں پر اس پر پوری طرح لاگو ہوتے ہیں۔" (۲۴، ۲۱)

"........ پر آج اتنا تو سبھی سویکار کرتے ہیں کہ پارلیمنٹ کے ممبر ڈھونگی اور سوارتھی ہوتے ہیں .... جس دَل کا جو ممبر ہوتا ہے، وہ اُسی دَل کو آنکھ بند کرکے اپنا ووٹ دیتا ہے، کیونکہ "ڈسپلن" یعنی قاعدے داری کے خیال سے وہ ایسا کرنے کیلئے مجبور ہے۔ کوئی اس سے اپواد روپ نکل جاوے تو اسے باغی اور اسکے کام کو بغاوت سمجھا جاتا ہے .... (پنّا ۲۶)

پارلیمنٹی راج کے لئے مرتے دَم تک باپو کی یہی رائے رہی اس کے سمبندھ میں بھی اُنھوں نے جو بھوشیہ بانی کی تھی یعنی یہ کہ اگر پارلیمنٹی راج اس دیش میں قائم ہوگیا، تو اِس دیش کا ناش ہو جائیگا، یہ بھوشیہ بانی ان کی پچھمی سبھیتا والی بھوشیہ بانی سے بھی زیادہ جلدی سچّی ثابت ہو رہی ہے۔

باپو پارلیمنٹی حکومت کے خلاف تھے۔ پھر بھی پچھمی سبھیتا کی چکا چوندھ نے اس دیش کے پڑھے لکھے لوگوں کو اس کے لئے

ایسا باؤلا کر دیا تھا کہ باپو انھیں اُس کی طرف جانے سے کسی طرح بھی نہ روک سکے۔ دیش کے نیتاؤں نے اپنی ساری شکتی اس بات پر لگا دی کہ باپو اپنے سوراج کی تحریک "مقصد صاف شبدوں میں پارلیمنٹری راج کو مان لیں۔ ان نیتاؤں کا خیال تھا کہ اگر سوراج کا رُوپ اس طرح صاف کر دیا گیا تو انگریزوں کی طرف سے بھی ویرودھ کم ہو جاوے گا اور دوسرے دیشوں کو بھی ہندستان کی طرف سے اطمینان ہو جاوے گا۔ شری مہادیو دیسائی نے" ہند سوراج" کے اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ کے ایڈیشن کی پرستاونا میں باپو کے نیچے لکھے شبد نقل کئے ہیں:۔

" اس کتاب میں آج کل کی سبھیتا کی بڑی نندا کی گئی ہے۔ یہ سنہ ۱۹۰۸ میں لکھی گئی تھی۔ پر آج تو اس بارے میں میرا وشواس اور بھی پکا ہے۔"

" پر میں اپنے پاٹھک کا اس طرف خاص دھیان دلانا چاہتا ہوں کہ آج میرا سچیہ (مقصد) وہ سوراج نہیں ہے جس کا بیان اس پستک میں ہوا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ہندستان اُس کے لئے پورے طور سے تیار نہیں ہے۔ ایسا کہنا ڈھٹائی تو معلوم ہوگی پر مجھے پکا وشواس یہی ہے کہ میں خود تو اُسی سوراج کے لئے کام کرتا ہوں جس کا چتر اس کتاب میں کھینچا ہے۔ پر ہم سب لوگ مل کر جو کام کر رہے ہیں وہ ہندستان کے لوگوں کی اچھاؤں کے انوسار پارلیمنٹری سوراج پانا ہے۔"

باپو کا یہ بیان اُن کے سوبھاؤ کی ایک خاص بات کو بڑے عجیب ڈھنگ سے درشاتا ہے۔ یہ بات سمے سمے پر پرگٹ ہوتی

رہتی تھی۔ اس کے کارن جنتا میں اور کام کرنے والوں میں طرح طرح کی غلط فہمیاں بھی پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ بات یہ تھی کہ کسی دوسرے کے کام اور طریقے چاہے باپو کے اپنے طریقوں کے کتنے بھی خلاف کیوں نہ ہوں، خود اپنے سدھانتوں کے اندر رہتے ہوئے باپو جہاں تک ہو سکے دوسرے کے کاموں میں صلاح اور مدد دیتے رہتے تھے۔ یہ بات اُن کی اُدارتا، ان کے بڑے دل اور ان کے پریم کی پرم سیما تھی۔ وہ مانتے تھے کہ ہر آدمی یا ہر گروہ کا اصلی بھلا اسی میں ہے کہ وہ جس بات کو ٹھیک سمجھتا ہے اسے پورا کرنے کی کوشش کرے۔ وہ جانتے تھے کہ ستیہ کی کلپنائیں انیک ہیں، اور جتنا ان کا ستیہ ان کو پیارا ہے اتنا دوسروں کو بھی اپنا ستیہ پیارا ہے۔ اس مدد دینے میں وہ اتنا ضرور دیکھ لیتے تھے کہ اس میں ان کا کوئی بنیادی اصول تو نہیں ٹوٹتا اور وہ خود اپنے اصول یا اپنے ستیہ سے تو نہیں الگ ہو رہے ہیں۔

باپو نے اپنے اس بیان میں کہا ہے کہ "میں تو اپنے خیال میں اپنے ہی سوراج کے لئے کام کر رہا ہوں۔" معمولی طرح سے ہمیں ان کے جیون کے اس پہلو کو سمجھ سکنا بہت کٹھن ہے۔ پارلیمنٹی راج قائم کرنے کے لئے جس سے ان کو نفرت تھی اور جسے وہ دیش کو برباد کرنے والا سمجھتے تھے، کھلے طور پر کانگریس کی اگوائی کرنا اور پھر اس وچار میں ڈوبے رہنا کہ میں اس طرح اپنے ہی ڈھنگ کے سوراج کے لئے کوشش کر رہا ہوں، باپو جیسا آدمی ہی کر سکتا تھا۔ یہ کام بڑا کٹھن ہے لیکن اگر ہم باپو کی ساری زندگی پر گہری نظر ڈالیں تو ہم پگ پگ پر انھیں اسی راستے پر

چلتا پلتے ہیں۔ دنیا میں اچھائی برائی، نیکی بدی، اس طرح ایک دوسرے میں مل جلی ہے کہ کوئی کرم یوگی ان میں سے ایک کو دوسرے سے بالکل الگ نہیں کرسکتا۔ اس سے بھی گہری بات یہ ہے کہ بُرائی کو بھلائی میں بدلنے کے لئے ہمیں بڑے دل، بڑی ادارتا، بڑے دھیرج بڑی ہمّت اور شردھا سے کام لینا پڑتا ہے۔ جب کبھی کوئی باپو کی بات نہ مان کر ان کی مرضی کے خلاف جاتا تھا تو اس کے ساتھ باپو کی ہمدردی اور سہیوگ میں کوئی کمی نہ آتی تھی۔ کانگریس نے ان کی ایک بات بھی دل سے نہیں مانی۔ یہاں تک کہ انھیں کانگریس کی ممبری چھوڑنے پر بھی مجبور ہونا پڑا۔ پھر بھی باپو کانگریس کی برابر سیوا کرتے رہے۔ کرانت کاری دل کے لوگوں کے لئے، کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور سب کے لئے ان کے دل میں جگہ تھی اور اپنے سدّھانتوں کے بھیتر رہتے ہوئے وہ ان میں سے ہر ایک کی صلاح مشورے سے اور جس طرح بھی ہوسکتا تھا برابر مدد کرتے رہتے تھے۔ شری راجاجی، سردار پٹیل، پنڈت جواہرلال نہرو، آخیر کے دنوں میں بابو راجندر پرساد تک گاندھی جی کی صلاحیں ماننے سے انکار کرتے رہتے تھے اور جی کھول کر اُن صلاحوں سے بے پرواہی دکھاتے رہتے تھے۔ پر اپنے ان پیارے ششیوں کی طرف باپو کے پریم اور ویوہار میں تل برابر بھی فرق نہیں ہونے پاتا تھا۔ باپو جانتے تھے کہ ان کے اس ڈھنگ سے جنتا میں بڑی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ دن رات اس کی شکایتیں ان کے پاس پہنچتی رہتی تھیں۔ پر وہ کبھی ایک قدم بھی اپنے راستے سے نہیں ہٹے۔ وہ ہٹ سکتے بھی نہیں تھے۔

ستیہ اور اہنسا کا یہی عجیب راستہ تھا جس پر چلتے رہنا وہ اپنا دھرم مانتے تھے۔

اسی طرح پارلیمنٹری راج کے خلاف ہوتے ہوئے بھی انھوں نے کانگریس کو پارلیمنٹری راج حاصل کرنے میں مدد دی۔ وہ کانگریس کے پروگرام میں سے اسہیوگ آندولن کو نکال دینے کے خلاف تھے پھر بھی دیش والوں کی اچھا کے انوسار انھوں نے اسے نکال دیا۔ کونسلوں میں جانے کے وہ دل سے خلاف تھے، پھر بھی انھوں نے کونسلوں میں جانے کا سجھاؤ خود پیش کیا تھا۔ سوراج پارٹی سے بنیادی فرق ہوتے ہوئے بھی انھوں نے اس کی مدد کی کہ پنڈت موتی لال نہرو اور شری چترنجن داس پھر سے ان کے بھکت بن گئے۔ باپو کا جیون اس طرح کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔

اب ہم باپو کے ان سب وچاروں کو موٹے طور پر بیان کر چکے جن کو جان لینا ہماری رائے میں باپو کے سنئے ودھان کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ ہم ان وچاروں کو مانیں یا نہ مانیں، ہم انھیں ٹھیک سمجھیں یا غلط، ہم انھیں گئے بیتے زمانے کی طرف دنیا کو پیچھے گھسیٹنے کی کوشش کہیں یا نئی دنیا کو لانے کا جتن کہیں، ہم انھیں سچے گیان اور بیوہار دونوں کا عطر اور نچوڑ سمجھیں یا ناسمجھی کی اور ان ہونی باتیں مانیں، ہمیں یہ ماننا ہی پڑے گا کہ باپو کے مرتے دم تک اس سمبندھ میں یہی وچار رہے۔

ہم اگر آگے کے لئے دیش کی تعمیر کے کام میں باپو کے وچاروں اور طریقوں سے مدد لینا چاہتے ہیں تو ان وچاروں کے شدھ

روپ کو سمجھ لینا ہمارا فرض ہے، تاکہ ان سے جو شکتی دیش میں پیدا ہو سکے اُسے ہم اپنے دیش اور اپنے سماج کی تعمیر میں پوری طرح کام میں لا سکیں۔

راج کاج کی شکتی سے اور دنیا کی دوسری باہری شکتیوں سے ٹھیک ٹھیک کام لینے کے لئے آتم بل اور سداچار کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہیں تو یہ شکتیاں ہمیں اونچا لے جانے کی جگہ گراوٹ کی طرف لے جاتی ہیں۔ باپو کے طریقوں کو ہم نے شدھ روپ میں نہیں برتا۔ پھر بھی ہم نے جس درجے تک ان پر عمل کیا اس سے بھی دیش میں ایک انوکھی طاقت، جاگرتی، نڈرتا اور اتنی بڑی سرکار سے ٹکر لینے اور نقصان سہنے کی شکتی ہم میں پیدا ہو گئی، پر سچا سداچار، سچا تیاگ اور آتم بل پیدا نہ ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آزادی تو مل گئی، پر اس کی قیمت ہمیں ملک کے بٹوارے اور باپو کی جان لے لینے کی صورت میں بھرنی پڑی۔ اس سے زیادہ بدنصیبی ہمارے لئے اور کیا ہو سکتی تھی۔ اگر اب بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں تو ہمیں اس سے بھی زیادہ قیمتیں ادا کرنی پڑیں گی۔ ان آفتوں سے بچنے اور سچی اُنتی کے راستے پر پیر جما کر چلنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ نیکی اور بدی کے اصولوں میں، نیک کاموں کے نیک نتیجوں اور بُرے کاموں کے بُرے نتیجوں میں ہمیں پکا وشواس ہو۔ ہم ان اصولوں کو اٹل اصول مانیں، اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں کے سامنے، یا یہ سوچ کر کہ ان اصولوں پر عمل کرنا کٹھن ہے ہم کسی بھی سنساری یا راج کاجی مطلب کو پورا کرنے کے لئے نیکی بدی کے اونچے اصولوں کو قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔

ودھان کیوں بنا؟

لوک سیوک سنگھ کے ودھان کا مسودہ باپو نے ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کے تیسرے پہر کو اپنی موت کے چار گھنٹے پہلے انڈین نیشنل کانگریس کے جنرل سکریٹری کو اس ہدایت کے ساتھ دیا تھا کہ وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے منظوری کے لئے پیش کیا جاوے۔ انھوں نے اپنا یہ ارادہ بھی ظاہر کیا تھا کہ میں اس ودھان پر پانچ چھ لیکھ 'ہریجن' میں لکھ کر اس کے الگ الگ پہلوؤں کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ باپو کے سامنے یہ ودھان کتنی بڑی چیز تھی۔ سچ یہ ہے کہ مہینوں ہی نہیں مدّتوں کے سوچ وچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے جو اس ودھان کے روپ میں اُنھوں نے دیش کے سامنے رکھا۔

اس ودھان میں انھوں نے کانگریس کو یہ صلاح دی ہے کہ وہ اپنا آج کل کا سنگٹھن توڑ کر 'لوک سیوک سنگھ' کا روپ لے لے۔ کانگریس جیسی پرانی شکتی شالی اور اتنی بڑی سنستھا کو اس طرح کی صلاح دینا بہت عجیب سا دکھائی دیتا ہے۔ اور جب ہم یہ جانتے ہیں کہ باپو ہر قدم کتنے سوچ کر اور ذمہ داری کے ساتھ اُٹھایا کرتے تھے تو اس کی گہرائی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

یہ گہرا قدم باپو نے کیوں اُٹھایا؟

اس فیصلے کے سمبندھ میں باپو سے اور کانگریس اور حکومت

کے سبھی بڑے بڑے نیتاؤں سے مدتوں بات چیت ہوتی رہی۔ عام طور سے یہ لوگ گاندھی جی کے اس وچار کے بالکل ورودھ تھے۔ وہ کانگریس کو توڑ دینا ملک کے لئے بہت بُرا سمجھتے تھے اس سے زیادہ بُرا اور خطرناک انھیں یہ دکھائی دیتا تھا کہ وہ دیش کا راج کسی دوسری پارٹی کے ہاتھوں میں دے دیں۔ انھیں ڈر تھا کہ دوسری پارٹیاں راج پر قبضہ پاکر اسے ٹھیک ٹھیک نہ چلا سکیں گی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے وردھا رچنا تمک کانفرنس (مارچ ۱۹۴۸) میں کہا تھا کہ "اپنے نئے ودھان سے باپو ہمیں راج گدی سے ہی نہیں بلکہ راج نیتی کے میدان سے ہی باہر لے جانا چاہتے ہیں۔ لیکن بہت کوشش کرنے پر بھی ہم یہ نہ سمجھ سکے کہ آخر ہم اسے کیسے سونپیں"!

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک بڑا گہرا سوال ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ سوال کانگریس کے نیتاؤں کو کئی بار پریشان کر چکا تھا۔ اسمبلیوں اور کونسلوں کے اندر رہ کر انگریزی راج کا مقابلہ زیادہ کامیابی سے کیا جاسکتا ہے یا ان سے باہر رہ کر، اندر جانے کے بعد ان سے باہر آکر لڑائی زیادہ کامیاب ہوگی، یا انھیں اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہوئے، اس طرح بہت سے سوال سمے سمے پر دیش کے سامنے پہلے بھی آچکے تھے۔ ان موقعوں پر باپو کی سدا ایک ہی سی رائے ہوتی تھی، وہ یہ کہ کانگریس کا ان سے باہر رہنے میں ہی زیادہ بھلا ہے۔ پھر بھی اس سمبندھ میں باپو کو کئی بار دوسروں کی رائے کے سامنے جھکنا پڑا۔ ایسے موقعے پر باپو نے

یہ صداقت کہدیا کہ وہ اپنی منظوری خوشی سے نہیں مجبوری سے دے رہے ہیں، جب انگریزوں کے سمے میں کانگریس کے لئے کونسلوں اور اسمبلیوں سے باہر رہنا اتنا کٹھن تھا تو انگریزی راج کے چلے جانے پر، دیش کی پوری آزادی حاصل ہونے کے بعد کانگریس کے نیتاؤں کی سمجھ میں راج گدّی کو چھوڑ دینا کیسے آسکتا تھا۔ کانگریس کے اس گہرے جھکاؤ کو جانتے ہوئے بھی اور اس جوش کو سامنے رکھتے ہوئے بھی جو راج نیتک آزادی مل جانے سے دیش میں پیدا ہوگیا تھا باپو نے پھر بھی راج گدّی کو چھوڑ دینے کا سوال کانگریس کے سامنے رکھ دینے کا فیصلہ کیا، اور آخیر سمے تک اس فیصلے پر جمے رہے۔

سچ یہ ہے کہ جس دن سے باپو راج کاج کے میدان میں آئے تب سے لے کر آخیر تک ان کے وچاروں اور آدرشوں اور کانگریس کے وچاروں اور آدرشوں میں زمین آسمان کا فرق رہا ہے۔ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ کانگریس کے ساتھ بنیادی مت بھید ہوتے ہوئے بھی باپو لگ بھگ تیس سال تک انگریزی حکومت سے لڑنے میں کانگریس کی اگوائی کرتے رہے۔ اس سارے سمے میں کانگریس کے بہت سے وچار ڈھنگ اور یوجنائیں باپو کے اصولوں، وچاروں اور یوجناؤں سے الٹی تھیں پھر بھی جہاں تک ہوسکا کانگریس باپو کے اصولوں پر چلنے کی کوشش کرتی رہی۔ گو کہ یہ کوشش کھوکھلی اور اوپری ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ باپو کے مقابلے کا کانگریس کے پاس دوسرا نیتا نہ تھا اور نہ ایسی کوئی یوجنا تھی جس سے کانگریس جنتا کو، اور سنگٹھن کرکے انگریزی راج سے ٹکر لے سکتی۔ اسی لئے خوشی یا ناخوشی باپو کے بتائے ہوئے

سادھنوں کو ہی وہ استعمال کرسکتی تھی۔ اس استعمال میں یہ انھیں اتنا
ادل بدل اور توڑ مروڑ ڈالتی تھی کہ ان کا سارا رنگ سا بگڑ جاتا تھا
اور ان سادھنوں کی آتمک اور نیتک شکتی نشٹ ہوجاتی تھی۔ کہنے
کو یہ یوجنائیں باپو کی ہوتی تھیں مگر اصلیت میں ان کی صلاحوں اور
سدھانتوں کا ان میں بہت کم انش رہ جاتا تھا۔

عجیب بات ہے کہ جیوں جیوں باپو کی طاقت کا اثر بڑھا اور
ان کی کامیابیوں کے نقشے ہمارے سامنے آتے گئے تیوں تیوں
دیش کے نیتاؤں اور سپاہیوں کی شردھا باپو کی اہنسا کی یوجناؤں
اور ہتھیاروں میں گھٹتی گئی۔ سنہ ۱۹۲۰ اور سنہ ۳۲ کے آندولنوں
کے بعد باپو اور کانگریس کے اصولی مت بھید نے ایک وکٹ
روپ لے لیا، ان آندولنوں میں بہت سی باتیں ایسی ہوئیں جنھیں
باپو ناجائز سمجھتے تھے۔ جیسے پکیٹنگ میں ٹانگیں پکڑ لینا، لیٹ کر
لوگوں کو روکنا، طرح طرح کے ہنسا کے نعرے لگانا، ہر طرح
کے آدمیوں سے جیل بھرنے کی کوشش کرنا؛ پکڑ جانے کے
ڈر سے اپنی جائدادیں دوسروں کے نام کردینا، کانگریس تک کو
بالکل ننگا کردینا، مقدموں میں نام اور پتے جھوٹے بتانا، پولس
کی زیادتیوں میں "لال پگڑی ہائے ہائے!" "روٹی کا ٹکڑا ہائے!
ہائے!!" چلّانا۔ جیلوں کے اندر جاکر ہم نے جو کارنامے کئے، ان
کی سچی کہانی اگر دنیا سن پائے، تو حیران ہوجائے۔ جیل جانے
والوں کی گنتی بڑھانے کے لئے ہم جو جائز یا ناجائز ترکیبیں کرتے
تھے ان پر کسی کو بھی ابھمان نہیں ہوسکتا۔ چھپ کر اخباریں اور

بولیٹن نکالنے کا اور انڈر گراؤنڈ ہو جانے کا آج بھی ہمیں گھمنڈ ہے۔ ایسی ہی بہت باتیں تھیں جنھیں باپو ستیہ اور اہنسا کے خلاف سمجھتے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ ہم انھیں چھوڑ دیں۔ اتنا ہی نہیں کہ ہم نے ان کی صلاح نہ مانی، ہم نے اس اصول ہی سے انکار کیا کہ یہ ستیہ اور اہنسا کے خلاف یا کانگریس کی کریڈ کے خلاف ہیں۔

کانگریس کی کریڈ میں کیول جائز اور شانتی مے سادھنوں کے کام میں لانے کی اجازت دی گئی ہے۔ کانگریس کی اس کریڈ کو کہ جائز اور شانتی مے سادھنوں سے پورا سوراج حاصل کیا جائے، باپو نے ہی بنا کر کانگریس سے منظور کروایا تھا۔ اس کریڈ (مقصد) کے اصول کا بدل جانا باپو نہیں سہہ سکتے تھے۔ ہم نے دعویٰ یہ کیا کہ اوپر دی ہوئی یہ ساری باتیں جائز اور شانتی مے ہیں۔ باپو کا کہنا تھا کہ یہ کریڈ میری بنائی ہوئی ہے اور اس لئے ان شبدوں کے جو معنی میں سمجھتا ہوں وہ ٹھیک سمجھے جانے چاہئیں، اور میں نے کریڈ میں جائز اور شانتی مے شبد "ستیہ" اور "اہنسا تمک" شبدوں کے لئے استعمال کئے ہیں۔ لوگوں نے ان کی بات نہیں مانی۔ آخرکار یہ معاملہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے بمبئی میں پیش ہوا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے بھی باپو کی یہ بات نہیں مانی۔ اسی پر باپو کو کانگریس کی ممبری سے استعفیٰ دینا پڑا۔ وہ کسی ایسی راج نیتک سنستھا میں رہنا، جس کا راستہ تھا شدہ طریقے پر ستیہ اور اہنسا کا نہ ہو، ٹھیک نہیں سمجھتے تھے۔

باپو کے الگ ہوجانے کے بعد کانگریس ان کے اثر سے اور بھی آزاد ہوگئی۔ اس نے باپو کی یوجناؤں کی طرف دھیان دینا اور بھی کم کردیا۔ باپو کے راج نیتک چیلے یہ محسوس کرنے لگے کہ اب ہم بالغ ہوگئے ہیں اور دیش کی ذمہ داری ہمیں اپنی سمجھ اور اپنے سدھانتوں کے انوسار نبھانی چاہیے۔ کٹھن سے کٹھن اور گمبھیر سے گمبھیر موقعوں پر انھوں نے باپو کی اچھاؤں اور صلاحوں کا نیک نیتی اور ہمت کے ساتھ خود ورودھ کیا، اس سب کے ہوتے ہوئے بھی باپو کانگریس کی ویسی ہی دل سے سیوا کرتے رہے۔

جو لوگ باپو کے سدھانتوں اور آدرشوں کے پریمی تھے وہ ان کے اس طریقے سے پریشان رہتے تھے۔ نہیں معلوم کتنی بار انھوں نے باپو پر یہ زور ڈالا کہ وہ اپنے سدھانتوں میں سچے دل سے وشواس رکھنے والوں کی پارٹی الگ بنائیں اور اس کو ساتھ لے کر دیش میں اپنے وچار کے انوسار سوراج قائم ہونے کی بنیادیں ڈالیں۔ باپو جانتے تھے کہ ایسی سنستھا اور ایسے لوگوں کا ساتھ دینا جن کے اصول ان کے خلاف ہوں، جنتا کیلئے باپو کے سدھانتوں اور یوجناؤں کو پوری طرح سمجھنا ناممکن بنا رہا ہے۔ پھر بھی وہ سدا اپنی اسی نیتی پر چلتے رہے اور کبھی کانگریس سے الگ ہوکر انھوں نے اپنا دل الگ نہیں بنایا۔ یہی ان کا سوبھاؤ تھا۔ یہی ستیہ، اہنسا کا راستہ تھا اور اسی کو وہ اپنا دھرم سمجھتے تھے۔

اسی کے ساتھ ساتھ اگر انھیں ایک بار یہ یقین آجاتا تھا کہ کوئی سنستھا جنتا کے بھلے کے خلاف کام کرتی ہے یا جنتا کے بھلے کے لئے اس کی ضرورت نہیں رہی تو باپو اس سے الگ ہو جاتے تھے اور کوئی دوسری سنستھا بناکر یا کسی بنی بنائی سنستھا کو بڑھاکر اپنا کام چلاتے تھے۔ ہوم رول لیگ کو انھوں نے ختم کرکے کانگریس کے لئے میدان صاف کردیا تھا۔ ہندی ساہتیہ سمیلن سے الگ ہوکر انھوں نے دوسری سنستھا (ہندستانی پرچار سبھا) سے اپنا کام چلایا تھا۔ سابرمتی کے ستیاگرہ آشرم کو انھوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے توڑ دیا۔ گاندھی سیوا سنگھ کو، جو کیول ان کے بھکتوں کا سنگھ سمجھا جاتا تھا، اور ضروری نہ سمجھ کر ختم کردیا۔ ان کا دل جتنا نرم تھا اتنی ہی اس میں کڑائی بھی تھی یہی کارن تھا کہ وہ ستیہ پر اٹل روپ میں جمے رہتے تھے۔ کانگریس پر سے ان کی شردھا دنوں دن گھٹتی جا رہی تھی۔ جب تک کانگریس دیش کی آزادی کے لئے انگریزی سرکار سے لڑ رہی تھی، دیش کے لئے اس کی بہت بڑی ضرورت تھی۔ انگریزی راج کے دیش سے اٹھ جانے اور دیش کی آزادی مل جانے نے اس ساری حالت کو بالکل بدل دیا۔ سب سے بڑا اس کا اثر یہ پڑا کہ ستیہ، اہنسا، ستیہ گرہ، اسہیوگ جیسی چیزوں کی کانگریس اور اس کی حکومت کو کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ یہ چیزیں کانگریس کے لئے اتنی ہی خطرناک ہوگئیں جتنی یہ انگریزی سرکار کے لئے تھیں۔ باپو کے سارے مشن کا جہاں تک

اس کا راج کاج سے سمبندھ تھا، کانگریس کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ آزادی ملتے ہی دیش کی سرکار کے سامنے دوسرے دیشوں کے ساتھ سمبندھ کا سوال سب سے بڑا سوال ہو گیا اور پولس اور فوجوں کا اس راج کے لئے وہی بڑپن ہو گیا جو پچھمی دیشوں میں ہے۔ اہنسا کے اصول، وچار، سادھن اور یوجنائیں دیش کے جیون سے ایسی مٹ گئیں جیسے یہ کہیں تھی ہی نہیں۔ اس کے ساتھ باپو کے اثر کا کانگریس اور اس کی حکومت پر سے بالکل مٹ جانا لازمی تھا۔ آزادی مل جانے کے بعد کانگریس کے ذمے دار نیتا باپو کی صلاحوں کو بے کار اور اپنے لئے ایک رکاوٹ محسوس کرنے لگے۔ بڑے سے بڑے موقعوں پر انھوں نے صلاح لینا تک بند کر دیا اور جب لیتے بھی تھے تب اگر وہ ان کی مرضی کے خلاف ہوتی تھی تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ باپو پر ان باتوں کا گہرا اثر تھا۔ وہ اس کی چرچا برابر کیا کرتے تھے۔ ان کی پرارتھنا کے پروچنوں میں بھی یہ شکایتیں موجود ہیں۔

باپو نے پچھمی سبھیتا کے لئے ۱۹۰۹ء میں بھوشیہ بانی کی تھی کہ یہ اپنے ڈراچار کی آگ میں آپ ہی بھسم ہو جائے گی۔ ان کی اس بھوشیہ بانی کو پچھم کی دو بڑی لڑائیوں نے قریب قریب پورا کرا دیا۔ جو کچھ رہ گیا ہے اس کے لئے تیسری کی تیاری بڑے زور شور سے ہو رہی ہے۔ اسی طرح انھوں نے اس دیش کے لئے یہ بھوشیہ بانی کی تھی کہ اگر پارلیمنٹری راج یہاں جم گیا تو دیش بالکل برباد ہو جائے گا۔ پچھمی سبھیتا سے بھی

کہیں زیادہ ان کا یہ خیال سچا ثابت ہوا۔ آزادی پانے اور پارلیمنٹری راج
جمانے کی آشا نے ہمارے اونچے اونچے، نیک سے نیک، تیاگی اور
تجربے کار نیتاؤں کو اتنا موہ لیا کہ انھوں نے اس آزادی اور حکومت
کو ایسی قیمت پر خریدا جو آج تک کسی دیش کو دینی نہیں پڑی تھی۔
دیش کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے آزادی ملی، نتیجہ یہ ہوا کہ دیش کی جیتی
جاگتی جنتا بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ خیال یہ تھا کہ اس بٹوارے سے
ہندو اور مسلمانوں کی دشمنی ختم ہو جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دیش اور
ایک راج کی جگہ دو دیش اور دو راج ایک دوسرے کے دشمن کھڑے
ہوگئے۔ جہاں تک اپنے دیش کے اندر کے ہندو اور مسلم سمبندھوں کا
سوال تھا وہاں تک پھوٹ کی ساری پرانی بنیادیں اپنی جگہ پر بنی رہ گئیں
اس سے بڑی مصیبت آج تک سنسار میں کسی دیش پر نہیں آئی تھی۔ یہ
ہمارے پارلیمنٹری راج پانے اور جمانے کی شروعات تھی۔

اس گھٹنا نے باپو کی ساری پرانی کوششوں اور جیتوں کو ہی
نہیں بلکہ ان کے جیون کے مشن ہی کو جلاکر خاک کر دیا۔ ان
کے جیون کی گہری سے گہری بنیادیں ہل گئیں مگر لوگوں میں ہمیشہ
خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ اس بٹوارے میں باپو کا بھی ہاتھ
تھا۔ اس خیال کی بنیاد اس وشواس پر ہے کہ اگر باپو سچ مچ
روکنا چاہتے تھے تو اس طرح کی گھٹنا ان کی مرضی کے خلاف اس
دیش میں ہو رہی نہیں سکتی تھی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ باپو نے
آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی بیٹھک میں لوگوں کو جو صلاح دی تھی اس
سے یہ خیال اور بھی بڑھ گیا۔ باپو نے صاف کہا تھا کہ میں ہمیشہ سے

بٹوارے کو رد کرنا چاہتے ہو تو تمھیں پہلے پنڈت جواہر لال، سردار پٹیل اور ان کے ساتھیوں سے زیادہ تیاگی، ایماندار اور تجربے کار نیتا ان کی جگہ لینے کے لئے ڈھونڈھ لینے چاہیئے۔ کیوں کہ تمھارے اس بٹوارے کو رد کر دینے کے بعد یہ لوگ ورکنگ کمیٹی یا راج کی کرسیوں پر نہیں رہ سکیں گے۔ ان لوگوں نے باپو سے کہہ دیا تھا کہ لوگوں نے ہمارا کہنا نہ مانا تو ہم ورکنگ کمیٹی یا سرکار میں نہیں رہیں گے۔

یہ اس سمے کی سچی سچی حالت تھی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی بٹوارے کو رد کر سکتی تھی، پر اس کے سامنے سوال یہ تھا کہ اس کا دیش پر کیا اثر پڑے گا۔ دیش کے بٹوارے نے ایک بڑا خطرہ کھڑا کر دیا تھا۔ اس خطرے سے بچنے کے لئے وہ اگر ورکنگ کمیٹی کو اور منتری منڈل کو توڑ کر نئی کمیٹی بناتی جس میں پنڈت نہرو، سردار پٹیل اور ان کے ساتھی نہ ہوتے تو دیش کا اتنا بڑا سنگٹھن اور شکتی جو اس کی ساری ورودھی شکتیوں کا ۴۰ سال سے مقابلہ کر رہی تھی، ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ اس سمے ان کی خالی جگہ کو ٹھیک ٹھیک بھر سکنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اگر یہ جگہ ٹھیک نہ بھر سکتی تو ہو سکتا تھا کہ دیش میں اراجکتا کا ایسا طوفان آجاتا جو مدتوں کے لئے دیش کی آزادی اور ٹکاؤ راج کی امیدوں کا خاتمہ کر کے پھر سے ودیشیوں کا ادھیکار جما دیتا: اس حالت میں باپو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو کوئی بھی دوسری صلاح دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتے تھے۔ ان کی اس صلاح کی اس بنا پر بٹوارے کی ذمہ داری ان پر ڈالنا بالکل بے جا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس سمے باپو راج نیتی میں بالکل بے

بس ہو رہے تھے۔ ۱۹۴۲ء کے آندولن کے بعد سے ان کا اثر کانگریس پر سے بڑی تیزی کے ساتھ گھٹ رہا تھا کیوں کہ کانگریس کے بہت سے نیتا اور کاریہ کرتا اب باپو کے اصولوں اور پروگراموں کا کھلا ونِدودھ کرنے لگے تھے۔ ان حالتوں کو دیکھ کر باپو نے کانگریس کو یہ صلاح بھی دی تھی کہ وہ اپنے کریڈ (مقصد) کو بدل دے اور اس میں سے "جائز" اور "شانتی مے" شبدوں کو نکال دے۔ باپو نے یہ بھی صلاح دی تھی کہ کانگریس اپنے ممبروں اور ادھیکاریوں کے لئے کھادی پہننا ضروری نہ رکھے۔ جہاں تک حکومت کا سمبندھ تھا اس کے سب کام کھلے طور پر ہر بات میں باپو کے آدرشوں اور اصولوں کے خلاف جا رہے تھے۔ فوجوں اور پولیس پر خرچہ اندھا دھندھ بڑھ رہا تھا۔ دیش کے بھیتری انتظام میں برٹش سرکار سے زیادہ بڑے پیمانے پر گولیوں اور ڈنڈوں کا پریوگ ہو رہا تھا۔ باپو کہتے تھے کہ اگر تم بنا پولس اور فوج کو اس طرح استعمال کئے امن امان قائم نہیں رکھ سکتے تو تمہیں حکومت سے استعفا دے دینا چاہئے۔ پر ان کا یہ کہنا "نقار خانے میں طوطی کی آواز" کے سمان تھا۔ فوجی راج کے ساتھ ساتھ مشینی یگ جلدی سے جلدی دیش میں لانے کی چاروں طرف دھوم مچی ہوئی تھی۔ حکومت اپنے سارے سادھن اور شکتی اس میں لگا رہی تھی۔ 'نیشنلائیزیشن' کا مطلب ہوتا ہے دیش کے بڑے بڑے دھندھوں پر سرمایہ داروں کا قبضہ ہونے کی جگہ انھیں نیشن کے یعنی راشٹر کے ہاتھوں میں سونپ دیا جائے۔

اس میں راشٹر کا مطلب لیا گیا سرکار اور اس نیشنلائیزیشن نے دیش کی ہر ضرورت کی چیز کو کنٹرول کر لینے کا رُوپ لے لیا تھا۔ اس کا اثر دیش کے سُکھ چین اور سداچار کو طاعون اور پلیگ کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ باپو دیش میں آتم بل اور سوادلمبن (اپنے پیروں پر کھڑا ہونا) کی شکتی پیدا کرنے کے لئے ہر گاؤں کو ایک آزاد ریپبلک بنا دینا چاہتے تھے۔ اس کے خلاف حکومت ہٹلر اور مسولینی کی طرح سبھی شکتیوں اور سادھنوں کو اپنی مٹھی میں کر لینے پر تلی ہوئی تھی۔ برٹش راج کی فضول خرچی اور شاہی شوکت کانگریسی سرکار کو ورثے میں ملی تھی، اور وہ اس چکر سے کسی طرح باہر نکلنے کو تیار نہ تھی۔ سرکار کا اثر سارے کانگریس سنگٹھن پر پڑے بنا نہیں رہ سکتا تھا اور کانگریس کا اثر سارے دیش پر پڑنا لازمی تھا۔ اس لئے جسے دیکھو وہ دولت اور طاقت کی کھوج میں اُچیت اور انوچیت سبھی طریقوں سے اپنا مطلب پیدا کر لینے کی دُھن میں ڈوبا ہوا تھا۔ طاقت اور دولت تو کم میں چیز تلی ہوتی ہے اور اس کے امیدوار ان گنت۔ اس لئے کانگریس بلکہ سارا دیش گندی سے گندی پارٹی بازیوں کا اکھاڑا بن گیا تھا۔ دیش میں بے ایمانی، دغا فریب، رشوت اور طرح طرح کی لوٹ کا بازار گرم تھا۔

یہ سارا گھر پھونک تماشہ باپو کی آنکھوں کے سامنے برابر ناچتا رہتا تھا۔ جب تک برٹش راج قائم تھا انھیں اس حالت سے کھلی اور سیدھی ٹکر لینے کا موقعہ نہیں تھا۔ آزادی ملتے ہی ملک کے بٹوارے نے وہ بھینکر حالت پیدا کر دی کہ جس سے باپو

کے لئے کسی دوسری طرف دھیان دینا بالکل ناممکن ہوگیا۔ اس حالت سے سیدھی اور آخری ٹکر لینے کا خیال ان کے دل سے کبھی دور نہیں ہوتا تھا۔ دھیرے دھیرے اسی خیال نے ان کے لوک سیوک سنگھ کا روپ لیا اور اسے جنم دینے کے لئے اُنھوں نے اپنا آخری ودھان بنایا۔

اس ودھان کو غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ باپو اس کے بنانے کے لئے طے کرچکے تھے کہ یا تو کانگریس اور اس کی حکومت پوری طرح اپنے غلط راستوں کو چھوڑ کر دیش اور دیش کی بھیتا کی سچی رکشا کے مارگ پر چلے، ادھرم چھوڑ کر سچے دھرم کا پتھ پکڑے اور نہیں تو باپو اس سے الگ ہوکر اپنی ساری شکتی ان کو غلط راستے پر چلنے سے روکنے میں اسی طرح لگادیں گے جس طرح انھوں نے انگریزی سرکار کے آتنک اور انیایوں کو مٹانے میں لگائی تھی۔ لوک سیوک سنگھ کی یوجنا کانگریس اور اس کی حکومت کے لئے باپو کی آخری نیک صلاح تھی۔ اس کے ایک ایک شبد سے باپو کے اپنے دلی ارادوں کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

اس ودھان کو انڈین نیشنل کانگریس کے جنرل سکریٹری کو دینے کے چار گھنٹے بعد ہی باپو کا دیہانت ہوگیا۔ ایشور کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ آپ اپنے اس پرن کو پورا کریں۔ لیکن اس ودھان کے اس طرح جیتے رہنے کا پربندھ ہوجانا، یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ایشور اسے باپو کے ساتھ مارنا نہیں چاہتے تھے۔ دیش میں ایسی زہریلی ہوا پیدا ہوگئی تھی کہ جیسے باپو کی قربانی کے سوا دوسری کوئی اور شکتی بدل نہیں سکتی تھی۔ یہ حالت نہ

بدلتی تو باپو کے ودھان کے لئے دیش میں مدتوں تک کوئی جگہ ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ باپو نے اپنا فرض ادا کرکے اس ودھان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے زمین تیار کردی تھی۔ اب اسے سمجھنے، چلانے اور کامیاب بنانے کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جو باپو سے پریم رکھتے تھے اور جو ان کے آدرشوں، سدّھانتوں اور یوجناؤں کو اپنے دیش اور سنسار کے لئے برکت سمجھتے ہیں۔

ودھان کا مسودہ

یہاں پر ہم باپو کے لوک سیوک سنگھ کے ودھان کا لفظی ترجمہ، جس روپ میں انھوں نے اسے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے رکھنا چاہا تھا اور جیسا میں یہ ۱۵ فروری ۱۹۴۸ کے 'ہریجن' میں چھپا ہے، نیچے دے رہے ہیں۔

ودھان کا ترجمہ

ہندستان کے دو ٹکڑے تو ہوگئے، پھر بھی انڈین نیشنل کانگریس نے راج کاجی آزادی حاصل کرنے کے جو سادھن نکالے تھے ان سادھنوں سے ہندستان نے راج کاجی آزادی حاصل کرلی ہے، اس لئے کانگریس کی آج کل کی شکل صورت کا یعنی اس صورت کا جس میں وہ پرچار کا ایک ذریعہ اور پارلیمنٹری مشین بن گئی ہے۔ اب کوئی کام نہیں رہ گیا ہے۔ ہندستان کو اب شہروں اور قصبوں کا خیال ہٹاکر سات لاکھ گاؤں کے لئے سماجی (سوشل)

سداچاری (مورل) اور مالی (اکونامک) آزادی حاصل کرنی ہے۔ ہندستان جیسے جیسے اپنے اس مین راج کے لکش کی طرف بڑھے گا ویسے ویسے سول یعنی شہری طاقت فوجی طاقت کے اوپر قابو پانے کے لئے ضرور پوری پوری ٹکر دے گی۔ راج کاجی پارٹیوں اور فرقہ دارانہ سنستھاؤں کی لاگ ڈانٹ ہندستان کو تندرست نہیں رہنے دے سکتی۔ ان سے دیش کو بچاکر رکھنا ہی ہوگا۔ ان کارنوں سے اور اسی طرح کے دوسرے کارنوں سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی موجودہ کانگریس سنگٹھن کو توڑ دینے اور نیچے لکھے قاعدوں کے انوسار 'لوک سیوک سنگھ' کا سندر روپ لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔ موقعے کی ضرورت کے مطابق ان نیموں میں ادل بدل کیا جا سکے گا۔

ہر ایسے پانچ بالغ مردوں یا عورتوں کی ایک پنچایت، جو یا تو گاؤں کے ہوں گے یا جنکے من میں گاؤں کی لگن ہوگی، ایک اکائی مانی جائے گی۔

اس طرح کی دو پاس پاس کی پنچایتیں مل کر اپنے میں سے ہی چنے ہوئے ایک نیتا کے ادھین ایک کام کرنے والا جتھا بنائیں گی۔

جب اس طرح کی سو پنچایتیں ہو جائیں گی تو ان کے پچاس پہلے درجے کے نیتا اپنے میں سے ایک کو دوسرے درجے کا نیتا چنیں گے۔ اسی طرح ہوتا رہے گا، اس بیچ پہلے درجے کے نیتا دوسرے درجے کے نیتا کے ادھین کام کریں گے۔ دو دو سو پنچایتوں کے پاس پاس کام کرنے والے گروہ بنتے رہیں گے، جب تک کہ یہ سارے ہندستان میں نہ پھیل جائیں۔ بعد کی پنچایتوں کا ہر گروہ پہلے گروہ کی طرح اپنے میں سے دوسرے درجے کا ایک نیتا چن لیگا۔

دوسرے درجے کے سب نیتا مل کر سارے ہندستان کے لئے سیوا کریں گے اور الگ الگ اپنے اپنے علاقوں کے لئے سیوا کریں گے۔ دوسرے درجے کے نیتا جب کبھی ضرورت سمجھیں گے اپنے میں سے ایک کو 'سردار' چن سکیں گے جو جب تک چاہے گا سب گروہوں کی قاعدے بندی کرےگا اور ان کی اگوائی کرے گا۔

(چوں کہ صوبے یا ضلعے ابھی آخری طور پر نہیں بنے ہیں اور ابھی ادل بدل رہے ہیں، اس لئے سیوکوں کے اس گروہ کو صوبہ یا ضلع کونسلوں میں بانٹنے کی کوشش نہیں کی گئی، اور سارے ہندستان کے اوپر ادھیکار اس گروہ یا ان گروہوں کو دیا گیا ہے جو اس سمے تک بن چکے ہوں۔ یہ بات دھیان میں آجانی چاہئے کہ سیوکوں کے اس دل کو جو کچھ ادھیکار یا طاقت ملے گی وہ اس سیوا سے ملے گی جو وہ خوشی اور سمجھداری کے ساتھ اپنے مالک کی کریں گے۔ ان کا مالک سارا ہندستان ہے۔)

۱۔ ہر کام ۔۔ کرنے والے کو اپنے ہاتھ کے کتے سوت کی یا آل انڈیا چرخہ سنگھ کی تصدیق کی ہوئی کھادی پہننے کی عادت ہونی چاہئے اور یہ ضروری ہے کہ وہ نشے کی چیزوں سے بالکل پرہیز کرتا ہو۔ اگر وہ ہندو ہے تو یہ ضروری ہوگا کہ اس نے اپنی نجی زندگی میں یا اپنے کٹمب میں ہر صورت اور ہر شکل میں چھوا چھوت کو چھوڑ دیا ہو، یہ بھی ضروری ہوگا کہ اسے سامپردائک ایکتا (فرقہ وارانہ اتحاد) کے آدرش میں وشواس ہو، سب دھرموں کے لئے اس میں برابر کا آدر اور مان ہو اور نسل، دھرم یا مرد عورت

کے فرق کا خیال نہ کرتے ہوئے سب کو برابر کے موقعے ملنے اور سب کا برابر کا درجہ سمجھے جانے میں بھی اسے وشواس ہو۔

۲۔ وہ اپنے ادھیکار کے اندر کے ہر گاؤں والے سے ملے جُلے گا۔

۳۔ وہ گاؤں والوں میں سے کام کرنے والے بھرتی کریگا، انھیں کام کرنا سکھائے گا اور ان سب کا رجسٹر رکھے گا۔

۴۔ وہ اپنے روز روز کے کام کا روزنامچہ لکھ کر رکھے گا۔

۵۔ وہ گاؤں کا اس طرح سنگٹھن کرے گا کہ ہر گاؤں اپنی کھیتی اور دستکاری کے ذریعے اپنے پیروں پر خود کھڑا ہو سکے اور اپنا کام اپنے آپ چلا سکے۔

۶۔ وہ گاؤں کے لوگوں کو صفائی رکھنے اور تندرست رہنے کی تعلیم دیگا اور گاؤں والوں میں تندرستی کے بگڑنے اور بیماری پیدا ہونے کو روکنے کے لئے سب تدبیریں کرے گا۔

۷۔ وہ ہندستانی تعلیمی سنگھ کی طے کی ہوئی نیتی کے انوسار "نئی تعلیم" کے ڈھنگ پر جنم سے لے کر موت تک گاؤں والوں کی تعلیم کا انتظام کرے گا۔

۸۔ وہ اس بات کو دیکھے گا کہ جن لوگوں کے نام قانونی ووٹروں کے رجسٹر میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں وہ اس رجسٹر میں ٹھیک ٹھیک درج کر لئے جاویں۔

۹۔ جن لوگوں میں ابھی تک ووٹر بننے کی قانونی یوگتا نہیں ہے

انھیں وہ اس بات کے لئے بڑھاوا دے گا کہ وہ اس یوگیتا کو حاصل کریں تاکہ انھیں ووٹ کا ادھیکار مل جاوے۔

۱۰- اوپر کے کاموں کے لئے اور دوسرے ایسے کاموں کے لئے جو سمے سمے پر ان میں بڑھا دئے جائیں، سنگھ کے بنائے ہوئے قاعدوں کے مطابق وہ اپنا فرض ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کے لئے اپنے کو خود سادھے گا اور یوگیہ بنائے گا۔

سنگھ نیچے لکھی سوادھین سنستھاؤں کو اپنے ساتھ ملائے گا۔

(۱) آل انڈیا چرخہ سنگھ
(۲) آل انڈیا گرام ادوگ سنگھ
(۳) ہندستانی تعلیمی سنگھ
(۴) ہریجن سیوک سنگھ
(۵) گؤ سیوا سنگھ

دھن

اپنے اُدیشیہ کو پورا کرنے کے لئے سنگھ گاؤں والوں سے اور دوسرے لوگوں سے دھن جمع کرے گا جس میں خاص زور اس پر رہے گا کہ غریب لوگوں سے پیسہ پیسہ جمع کیا جاوے۔

م - ک - گاندھی

نئی دلی ۲۹ - ۱ - ۴۸

ودھان کی پرستاؤنا (تمہید)

یہ پرستاؤنا اِن درد بھرے شبدوں سے شروع ہوتی ہے۔
"ملک کے دو ٹکڑے ہوگئے" اس سے بڑا حادثہ باپو کے جیون میں کوئی دوسرا نہیں ہوا تھا۔ لازمی تھا کہ ان کے دل اور دماغ پر گہرے سے گہرا اثر ڈالے۔ یہ بھی لازمی تھا کہ انھیں اس بٹوارے میں اپنے سارے نظریوں، اصولوں اور کام کرنے کے طریقوں کا خاتمہ دکھائی دیتا ہو اگر تیس سال کی ستیہ اور اہنسا کی لڑائی سے یہ نتیجے پیدا ہو سکتے ہیں تو ان کے وہ سارے دعوے جو وہ آتم بل اور ستیاگرہ کے بارے میں دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے تھے، بالکل بے بنیاد تھے۔ اگر وہ بے بنیاد نہیں تھے تو یہ صورت کیوں پیش آئی؟ باپو کے سامنے یہ سوال سب سے اہم سوال تھا اور انھوں نے اس ودھان کے پہلے جملے میں اس کا پورا جواب دیدیا ہے۔ ان کے شبدوں سے یہ صاف ٹپکتا ہے کہ آزادی کی قیمت یا رشوت کے روپ میں ہم نے دیش کے دو ٹکڑے کئے ہیں۔ ستیہ اور اہنسا کے لحاظ سے اس سے بڑی بد اخلاقی (دُراچار) نہیں ہو سکتی اور جب ہم یہ سوچیں کہ کانگریس کے بڑے سے بڑے نیتا آخیر وقت تک برابر ملک کو یہ وشواس دلاتے رہے تھے کہ کسی صورت میں بھی وہ دیش کا بٹوارہ نہیں سہہ سکیں گے تو اس بد اخلاقی کی سمیا ہی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن در اصل "اس دُراچار، اس ستیہ اور اہنسا کی جان بوجھ کر پامالی کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کا جواب ایک ہو سکتا ہے کہ یہ ذمہ داری پوری پوری باپو کی ہے۔ جن سے

اصولوں اور طریقوں پر کانگریس کام کر رہی تھی اور جو اس کے اصلی اور سچے رہنما تھے۔ جیسا ہم نے کہا ہے، اس خاص نقطے کا جواب باپو نے اپنے اس ودھان کے شروع کے فقرے میں دیا ہے۔

"دیش کے دو ٹکڑے تو ہو گئے، پھر بھی انڈین نیشنل کانگریس نے راج کاجی آزادی حاصل کرنے کے جو سادھن نکالے تھے ان سادھنوں سے ہندستان نے آزادی حاصل کر لی ہے"

اتنے صاف شبدوں میں ہندستان کی تیس سال کی سیاسی کشمکش اور لڑائی میں جو اصول اور طریقے استعمال کئے گئے اُن کی پوری ذمہ داری سے باپو نے اس سے پہلے کبھی اتنے صاف اور کھلے شبدوں میں اپنے آپ کو الگ نہیں کیا۔ باپو کسی معاملے میں اپنی ذمہ داری قبول کرنے سے ڈرنے والے انسان نہیں تھے۔ ذمہ داریاں قبول کرنے کی جو شاندار مثالیں انھوں نے دنیا کے سامنے پیش کی ہیں انھیں انسانی دنیا آسانی سے بھلا نہ سکے گی۔ اس لئے اس ذمہ داری سے باپو کو اپنے کو الگ کرنے پر ہمیں اور بھی گہری نگاہ ڈالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہمیں یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ ساری دنیا کے دل پر یہ خیال جما ہوا ہے کہ کانگریس باپو کے اصولوں اور طریقوں پر چلتی تھی اور انھیں سے اسے اتنی شاندار جیت ہوئی کہ بنا خون خرابی کے اور اپنی مرضی سے انگریزی سرکار دیش سے چلی گئی۔ باپو کی اس سے زیادہ کامیابی اور کیا

ہوسکتی ہے ۔ لیکن باپو اس کو اپنی سب سے بڑی ہار سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا اس میں کوئی ہاتھ نہ تھا ۔ جو کچھ کیا ہے کانگریس نے اپنی پالیسی اور اپنے طریقوں سے کیا ہے اور اس واسطے اس ساری برائی بھلائی کی وہی ذمہ دار ہے ۔

ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ کانگریس اور باپو کے بیچ ہمیشہ کتنے گہرے مت بھید رہے اور کیسے کانگریس ان کی صلاحوں اور اصولوں کو تیاگ کر دہ راستے اپناتی رہی جسے باپو استیہ اور اہنسا کے راستے کہتے تھے ۔ لیکن کانگریس کے نیتاؤں کے دل میں باپو کے لئے اتنا گہرا پریم اور اتنی شردھا تھی اور وہ انھیں اسی پریم اور شردھا کے ساتھ اس طرح اپنا رہنما بنایا کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اصول اور عمل میں ان کے خلاف چلنے پر اتنے خوبصورت اور گہرے پردے ڈالتے رہتے تھے کہ دنیا یہ محسوس نہیں کرسکتی تھی کہ وہ کس حد تک باپو کے سارے اہنسا تمک اصولوں اور سادھنوں کے خلاف کام کر رہے ہیں ۔ اسی لئے ہندستان اور دنیا کے لوگوں کو سدا اس بارے میں گہری سے گہری غلط فہمیاں ہوتی رہتی تھیں ۔ لیکن اس بنیادی بے اصولی اور غلط طریقوں کا آخری نتیجہ اتنا بھیانک اور شرمناک ہوا کہ باپو کو اس سارے راز کی اصلی حقیقت کو کھول کر دنیا کے سامنے رکھ دینے کی سخت ضرورت محسوس ہوئی ۔ باپو کو یہ خطرہ پیدا ہوگیا کہ ایسا نہ ہو کہ آنے والی دنیا کی پیڑت اور مظلوم قومیں کانگریس کے راستے کو ستیہ اور اہنسا کا راستہ سمجھ کر اپنی آزادی اور مکتی کے لیئے جو راہ اپنائیں ان سے اُن کے لئے

ایسے ہی بھیانک خطرے اور بربادیاں پیدا ہوجائیں۔ اسی لئے اپنی اس آخری وصیت میں باپو نے اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے صاف کردیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی ان کی اس تشکشا کی طرف سے آنکھیں چراتا ہے یا بے پرواہی برتتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اُسی پر ہے۔

باپو ہمیشہ اپنے اس خیال کو ہر موقعے پر اپنے طریقے پر ظاہر کرتے رہتے تھے۔ بدقسمتی سے کانگریس نے کبھی باپو کی شکشا کے اس پہلو پر دھیان نہیں دیا۔ اس کا آخرکار نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کی سب سے بڑی جیت اس کے لئے بھیانک بربادیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اپنے ساتھ لائی۔ اس کا جتنا دکھ اور جتنا درد باپو کو تھا، کسی دوسرے کو نہیں ہوسکتا تھا۔ اُسی نے انھیں اس وردھان کے بنانے پر مجبور کیا جس میں انھوں نے کانگریس کو اس کی غلطیوں پر آخری بار چتاؤنی دی ہے اور کانگریس اور دیش کو وہ راستہ دکھایا ہے جس پر چل کر اپنے گناہوں کا جتنا کچھ پرائشچت ہوسکتا ہے۔

کانگریس کے کام کے طریقوں سے اپنے آپ کو بری کرکے باپو نے اس کے سامنے وہ نتیجے پیش کئے ہیں جو اس کے غلط کاموں سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے انھوں نے یہ دکھایا ہے کہ ان سے خود اس کا برا حال ہوگیا ہے۔ ان کے شبد یہ ہیں ــــ

"کانگریس کی آج کی شکل وصورت کا، یعنی اس صورت کا جس میں وہ پرچار کا ایک ذریعہ اور پارلیمنٹری مشین بن گئی ہے"

باپو کا کہنا ہے کہ راج کاجی آزادی پانے کے بعد، جو دنیا کی سب سے بڑی طاقت سمجھی جاتی ہے، کانگریس دیش کی سچی سیوک اور سدھارک بننے کی جگہ پارلیمنٹری حکومت چلانے کی مردہ مشین اور اس کا گن گان کرنے کا سادھن بن کر رہ گئی ہے۔ آخر یہ دردناک تبدیلی اس میں کیوں پیدا ہو گئی۔ اس کا کارن یہ ہے کہ راج کاجی آزادی کا صحیح استعمال کرنا اس کے بس سے باہر ہو گیا ہے۔ آزادی ایک شکتی ہے جس سے اپنی قابلیت کے انوسار اچھے اور برے دونوں کام لئے جا سکتے ہیں۔ یہ خود کوئی نعمت نہیں ہے۔ اس کا صحیح استعمال اس سے اچھے نتیجے پیدا کر سکتا ہے۔ اس کا غلط استعمال اسے دنیا کا سب سے بڑا خطرہ بنا سکتا ہے۔ اس لئے اگر کانگریس کا آدرش اخلاق اور سداچار ہوتا اور اس نے باپو کے سندیش کو صحیح طور پر سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی ہوتی تو وہ اس طاقت کو پانے کے بعد اس کا صحیح استعمال کر سکتی تھی۔ اس نے اپنی اس زبردست شکتی کو اور اپنے مہارتھیوں اور سادھنوں کو جو اس نے اس کی جیت کو رکھے، یورپ کی مشینی سبھیتا کی اندھی پیروی میں خرچ کرنا اپنا پیشہ بنا لیا اور اس راہ میں پہلا وناش کاری (ہلاکت آمیز) قدم یہ اٹھایا کہ بنا ضروری سدھار اور تبدیلیوں کے پارلیمنٹری حکومت قائم کر کے اسے ایک بے جان مشین کی طرح چلانے لگی۔ باپو کی تیس سال کی اس شکشا کو کہ ہمارے دیش کے لئے انگریزی سرکار اتنا بڑا خطرہ نہیں ہے بلکہ ہماری انگریزیت ہے، ہماری راج کاجی غلامی نہیں ہے بلکہ ہماری

سدا چاری، آرتھک اور نیتک غلامی ہے۔ اُس نے ٹھیک اس سمے پر جب کہ اس سے پورا فائدہ اُٹھانے کا سمے آیا، اس طرح بھلا دیا جیسے اس دیش میں یہ خیال کبھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ دیش کے دو ٹکڑے ہوگئے، اسی کا نتیجہ ہے کہ دو ٹکڑے ہوجانے کے بعد وہ ساری مصیبتیں اور خطرے جن کو دور کرنے کے لئے یہ ٹکڑے کئے گئے تھے۔ اسی جگہ پر آج بھی پہلے کی طرح بلکہ اور بھی خراب روپ میں باقی ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ دیش میں وہ نئی حالتیں پیدا ہو رہی ہیں کہ اگر اب بھی اس پچھمی پارلیمنٹری حکومت کے طریقوں میں سدھار نہ کیا اور پچھمی سبھیتا کے اصولوں، طریقوں اور پالیسی کو نہ چھوڑا تو پچھمی غلامی کا جوا دوبارہ دیش کے کندھے پر آجائے گا اور جنتا، کانگریس اور کانگریسی سرکار سب ان مصیبتوں میں پڑجائیں گی جن کے مقابلے میں انکی پچھلی بربادی ماند پڑ جائے گی۔ پچھمی سبھیتا کی اندھی پیروی سے دیش میں وہ ہی نتیجے پیدا ہوں گے جو آج یورپ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ بدکاری، دغا فریب، نفرت، خودغرضی، لوٹ مار اور ہر طرح کے گھریلو جھگڑے جو یورپ کی تہذیب کی خاصیت ہیں، دیش میں اپنا گھر بنا لیں گی۔

چین اور برما وغیرہ کی سی حالت اس دیش میں بھی پیدا ہوسکتی ہے اس لئے کانگریس کو اس راستے کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اُسے یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے پُرانے راستے سے بالکل ہٹ گئی ہے اور اس لئے اپنے موجودہ روپ میں کسی معنی میں بھی دیش کے لئے کارآمد نہیں رہی۔

باپو کے شبد یہ ہیں ـــ

"کانگریس کی آج کل کی شکل صورت کا، یعنی اس صورت کا جس میں وہ پرچار کا ایک ذریعہ اور پارلیمنٹری مشین بن گئی ہے، اب کوئی کام نہیں رہ گیا!"

سوال یہ ہے کہ باپو کی نگاہ میں کانگریس کا پرانا اُپ یوگ یا کام کیا تھا اور اب وہ کیوں اور کیسے ختم ہو گیا۔ باپو کی نگاہ میں کانگریس کا پرانا اُپ یوگ یہ تھا کہ چاہے کتنے ہی غلط طریقے سے کیوں نہ ہو، اس نے اہنسا تمک ڈھنگ پر باپو کے ستیہ گرہ کے پروگرام کو بڑی ہی بہادری، بے غرضی اور سرفروشی کے ساتھ چلایا۔ اس نے برٹش سرکار کی غلطیوں، ناانصافیوں اور اتیاچاروں سے جنتا کو بچانے میں کڑی مصیبتیں جھیلیں اور نقصان اٹھائے اور اپنے اس بے مثال تیاگ سے لوگوں میں اتنی بیداری، اتنی شکتی اور اتنا ایکا پیدا کر دیا جس نے ودیشی راج کی بنیادیں دیش سے اکھاڑ ڈالیں۔ اس کے جیون کا سب سے اہم اور خاص پہلو یہ تھا کہ وہ حکومت کے سدھار کا سب سے بڑا ذریعہ تھی اور حکومت کے اتیاچاروں اور انیایوں سے دیش واسیوں کو بچانے کا سب سے بڑا سادھن تھی۔ اس میں تیاگ تھا، اس میں جنتا کی سیوا کا بھاؤ تھا، اس میں ہمت تھی اور جنتا کو ابھارنے اور اسے اونچے مقصدوں کے لئے سنگٹھت کرنے کی طاقت تھی۔ انھیں خوبیوں کے کارن ستیہ اور اہنسا کے راستوں سے بھٹکتے ہوئے بھی جب کبھی وہ باپو سے کسی قسم کی

بھی مدد چاہتی تھی تو وہ ہمیشہ اس کی زیادہ سے زیادہ مدد کرتے تھے۔ پھر سوال یہ ہے کہ آخر اب کیا ہوگا۔ باپو کیوں کہتے ہیں کہ کانگریس کا دیش کی بھلائی کے لئے اب کوئی کام نہیں رہ گیا۔ اس کا کارن یہ ہے کہ آزادی مل جانے سے کانگریس کی حالت میں ایک زبردست انقلاب ہوگیا۔ اس نے سر سے پاؤں تک اپنا چولا ہی بدل ڈالا۔ وہ سارے گن اور ساری خوبیاں، جنھوں نے اسے ایک خاص جگہ دے رکھی تھی، اس کی زندگی میں سے بالکل ختم ہوگئیں۔ وہ پہلے دیش کی سیوک تھی اب اس کی مالک بن گئی۔ بھکھاری کی جگہ وہ راجہ بن گئی۔ تیاگی کی جگہ وہ بھوگی بن گئی جنتا کو راج کے انیایوں سے بچانے کی جو ایک زبردست ڈھال تھی وہ اب خود جنتا پر لاٹھیوں اور گولیوں کی بوچھاروں کو جگہ جگہ مزدوری بتانے لگی۔ وہ جس طرز حکومت یا شاسن پدھتی کو دنیا کی بدترین پدھتی کہتی تھی، جسے وہ بالکل ناکارہ، حماقت اور جہالت سے بھری، بے ایمان اور بدنیت کہتی تھی، آزادی پانے ہی وہ اسی انگریزی شہنشاہیت کی مری ہوئی لاش میں اس طرح سما گئی جیسے وہ اس کا جسم ہو اور انھیں انگریزی افسروں اور نوکروں سے جن کا دل و دماغ، شریر اور آتما پچھلی راج کی غلامی کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے تھے، دیش کی سیوا اور رکشا کے لئے لگا دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ پرانی حکومت کی فضول خرچیوں، رعب داب، شان شوکت اور آڈمبروں کو اسی طرح اپنا لیا جیسے کوئی جیتا ہوا راجہ کسی ہارے ہوئے راجہ کی ساری چیزوں کو اپنی ملکیت بناتا ہے۔ جن ساری باتوں کو مٹانا اس نے اپنا مقصد

بنایا تھا۔ اُسے اپنانا آج اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے۔ اس زبردست اور وناش کاری تبدیلی کے بعد اُس میں اپنی پُرانی خوبیاں کیسے باقی رہ سکتی تھیں۔ باپو اُس کی نیتک اور روحانی گراوٹ کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اُن کی دلی خواہش تھی کہ کانگریس کے پُرانے جذبے کو پھر کسی طرح جگا سکیں۔ اسی لئے اپنے اس پرستاؤ میں انھوں نے اُسے اپنے پرانے راستے کو چھوڑنے کی صلاح دی ہے اور آنے والے خطروں سے اُسے آگاہ کیا ہے۔

باپو نے اُسے یاد دلایا ہے کہ وہ اپنے اصلی مقصد سے بہک گئی ہے۔ اس کا اصلی مقصد صرف راج کاجی آزادی حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ اس کے آگے کی کئی منزلیں طے کرنی تھیں۔ اُن کی طرف بڑھنے کے بجائے آج وہ اُن سے اپنا منہ موڑ کر بالکل اُلٹی طرف کو دوڑی جا رہی ہے۔

باپو کے شبد ہیں ——

" ہندستان کو اب شہروں اور قصبوں کا خیال ہٹا کر سات لاکھ گاؤں کے لئے سماجی، سداچاری اور مالی آزادی حاصل کرنی ہے۔"

باپو نے اوپر کے جملے میں ملک کی راج کاجی آزادی اور اس کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی آزادی میں فرق کیا ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ اگر یہ دوسری آزادیاں حاصل نہیں ہوتیں تو صرف راج کاجی آزادی بالکل بے سود اور بے کار ہے، کیوں کہ یہ تو صرف ان دوسری آزادیوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تک

سرکار چلی گئی تو پھر ہماری ان دوسری آزادیوں کو کون چھین رہا ہے۔ ہم کس کا مقابلہ کر کے اس کو محفوظ یا شورکشت کرسکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ انگریز گئے لیکن انگریزیت باقی ہے، یورپ گیا لیکن یورپی سبھیتا باقی ہے۔ اور جیسا ہم کہہ چکے ہیں، باپو پچھمی سبھیتا کو پچھمی راج سے زیادہ زہریلی اور خطرناک سمجھتے تھے۔ پر جب خود دیش کی پارلیمنٹری حکومت اس سبھیتا کو پھیلانے کا ذریعہ بن گئی تب اس سے بچنے کا اس کے سامنے کون سا ذریعہ باقی رہ گیا۔ باپو گوری اور کالی حکومت میں فرق نہیں کرتے تھے۔ ان کا اس بارے میں ایک ہی معیار۔یا ٹانپ ڈنڈ تھا کہ یہ حکومت جنتا کی سیوک ہے یا نہیں، اس میں دیا دھرم ہے یا نہیں، اس کی بنیاد حکمرانی اور ہنسا پر ہے یا ستیہ اور اہنسا پر۔ موجودہ حکومت اس میں ایک معیار پر بھی پوری نہیں اُترتی۔ پھر اس کے خطروں سے دیش کیسے بچ سکتا ہے۔ جب کانگریس دیش کی سیوک تھی، تب یہ فرض وہ خود ادا کرتی تھی، اب جب وہ مالک ہے تو یہ سیوا کون کرے۔ باپو اُسے اپنے پرانے زمانے کی یاد دلاتے اور کہتے ہیں کہ جو جگہ اس نے خالی کی ہے، وہ جب تک بھر نہ جائے دیش میں سکھ، شانتی ترقی اور خوشحالی کا دور پیدا نہیں ہوسکتا۔

یہ خیال یا آشا کی حکومت خود اپنے آپ کو اور دیش کو کامیابی کے ساتھ سدھار سکے گی، بالکل غلط ہے، پارلیمنٹری راج اگر اپنے آپ کو سدھار سکتا ہوتا تو یورپ کا وہ حال نہ ہوتا جو آج ہم دیکھ رہے ہیں، اگر اس پارلیمنٹری راج میں کچھ سدھار

ہوتے بھی ہیں تو وہ ہنسا تک انقلاب کے ذریعے ہوتے ہیں. جو انسانی دنیا کے لئے اس کے خطروں کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں. اس لئے ایسی حکومت میں اصلی سدھار کرنے کے لئے کسی ایسی ہی سنستھا کی ضرورت ہے جیسی کانگریس پہلے تھی. جب یہ صورت حال ہے تب دیش کی بھلائی کے لئے دو باتوں میں سے ایک کا ہونا لازمی ہے ـــ یا تو کانگریس حکومت سے باہر اپنے پرانے فرض ادا کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لے یا کوئی دوسرا سنگٹھن قائم ہو جو اہنسا کو اپنا کریڈ (دھییہ) بنا کر کانگریس اور اس کی سرکار کو ان کی آج کل کی پچھمی سماجی، سدا چاری مالی غلامی سے بچا سکے.

پارلیمنٹری راج اپنے آپ کو ان دوشوں سے پاک نہیں کر سکتا، جو اس کے جنم کے دن سے ہی اس کی فطرت (پرکرتی) اور خمیر میں شامل ہیں. سچا دیش سدھار اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کے سارے پچھمی طریقے نہ بدل دئے جائیں. پچھم کے ان دُرا چاری طریقوں کو بدلے بنا اس دیش کے سات لاکھ بدنصیب گاؤں شہری اور پچھمی سبھیتا کے وناشکاری اثر سے نہ بچ سکیں گے. پچھمی سبھیتا گاؤں کو شہر بسنا نا چاہتی ہے. وہ گاؤں کی ساری دولت اور سادھنوں کو سمیٹ کر ہندستان کے کارخانوں اور ان کے کروڑ پتی مالکوں کی مدد کرنا چاہتی ہے. لیکن جب تک پچھمی حکومتیں چھوٹی مشینیں بنانے والی بڑی مشینیں اتنے بڑے پیمانے پر نہ دیں، یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا اور پچھمی حکومتیں اس طرح خود اپنی آتم ہتیا کرنے پر راضی نہیں ہو سکتیں اسی لئے اُسے اپنی اس وناش کاری کوشش میں 'مایا' اور 'رام'

دونوں کو کھونا پڑے گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہندستان کی پارلیمنٹری حکومت کے پاس فوجیں اور ایٹم بموں کی طاقت ہوتی تو یہ دوسرے دیشوں سے اپنی ضرورت کی چیزیں زبردستی لے سکتی یا انھیں اپنی چیزیں دے سکتی تھی۔ لیکن بدنصیبی سے ہتھیاروں کے معاملے میں یہ مشینوں سے بھی زیادہ پچھم کی محتاج ہے اور یہ سمجھنا کہ پچھم اسے اپنے مقابلہ کیلئے ہتھیار بند کر دے گا، ایک پاگل پن کی بات ہوگی۔

پچھم کی ہنسا تمک اور وناش کاری پالیسی اور طریقوں کو چھوڑ دینے سے زیادہ ایک اور اہم پہلو اپنے کام کرنے کے موجودہ طریقوں کو چھوڑ دینے کے لئے باپو نے کانگریس کے سامنے رکھا ہے۔ ان کے شبد یہ ہیں

"ہندستان جیسے جیسے اپنے اس جن راج کے لکش کی طرف بڑھے گا ویسے ویسے سول یعنی شہری طاقت فوجی طاقت کے اوپر قابو پانے کیلئے ضرور پوری پوری ٹکر لے گی۔ راج کاجی پارٹیاں اور فرقے وارانہ سنستھاؤں کی لاگ ڈانٹ ہندستان کو تندرست نہیں رہنے دے سکتی۔ ان سے دیش کو بچا کر رکھنا ہی ہوگا!"

پچھمی سبھیتا یورپ کی طرح ہمیشہ کے لئے اس دیش کو بھی ایک نہ ختم ہونے والی کشمکش، بے چینی اور بربادی کے دائرے میں گھیرے رکھے گی اور اس میں اور باہری طاقتوں میں ایک ان مٹ ٹکر قائم رکھے گی۔ لیکن اس سے زیادہ وناش کاری پہلو یہ ہے کہ پارلیمنٹری حکومت کے دو پارٹی سسٹم کا قدرتی نتیجہ یہ ہے

کہ خود ملک کے اندر یہ طریقہ ہمیشہ تک راج کاجی انقلابوں سے کے بیچ برابر ہوتا رہتا ہے۔ آئے دن راج کاجی طوفان اُٹھتے ہیں اور حکومتوں کو طاقت کے زور سے بدلنے کی کوششیں ہوتی رہتی ہیں۔ ان کوششوں میں دیش کا ہر گروہ اور ہر طبقہ حصہ لیتا رہتا ہے اور اس طرح باری باری سے کبھی یہ کبھی وہ ایک دوسرے کے ہاتھوں سے زخمی اور برباد ہوتے رہتے ہیں۔ یورپ کا آخری چار سال کا تجربہ اس بات کا ثبوت ہے اور اس کے ہر دیش کے گھریلو جھگڑوں کی ایک سی کہانی اور اس کی ٹھنڈی اور گرم لڑائیوں کی کہانیوں سے اتہاس کے صفحے رنگے ہوئے ہیں۔

پارلیمنٹری حکومت کی یہ خاصیت یورپ سے کہیں زیادہ اس دیش کے لئے خطرناک اور ناش کاری ثابت ہوگی۔ راج کاجی پارٹیوں کے ساتھ ساتھ یہاں فرقہ وارانہ جذبات اور دل بندیاں بڑے سے بڑے پیمانے پر موجود ہیں اور پرانی سنستھاؤں کے علاوہ اس قسم کی نئی نئی خطرناک پارٹیاں روزانہ جنم لے رہی ہیں۔ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ ابھی ابھی ایک دور کی بے رنگ دھندلی تصویر کی طرح نظر آرہا ہے، مگر آج بھی مہاراشٹر میں برہمن ابراہمن یا آدی واسی تحریکوں کے کارن سیکڑوں برہمن گاؤں چھوڑ کر شہروں میں آکر رہنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اور جہاں تک ہمارا خیال ہے شوشت سنگھ کے آندولن نے یو۔ پی میں آخری پنچائتوں کے چناؤں سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگلے چناؤ تک ہی یہ خطرناک تحریک ایک انقلابی روپ لے لے گی۔ ادھر تو یہ جذباتی طوفان پیدا ہو رہے ہیں، ادھر سے کمیونسٹ آندولن کی انقلابی

گھٹائیں ان طوفانوں کو ساری دنیا میں پھیلا دینے کی بھیانک آوازیں سُنا رہی ہیں اور اس میں سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ ہم جو صدیوں سے نہتے اور بے ہتھیار تھے آج اپنی اس بھوک اور ہوس کو مٹانا اپنا پہلا قومی فرض سمجھ رہے ہیں اور جیسے کوئی اپنی چتا کے لئے آپ لکڑیاں جٹاتا ہو، ہم آنکھیں بند کر کرکے چاروں طرف ہتھیار جمع کرنے اور بانٹنے اور فوجی اور ادھ فوجی گھیرے بنا کر اپنی موت کا خود انتظام کر رہے ہیں۔ باپو نے ان بھیانک حالتوں سے کانگریس کو آگاہ کیا ہے کہ آج کی حالتوں میں ملک کی سول اور فوجی طاقتوں کا آپس میں ٹکریں لینا ضروری ہے اور سیاسی د فرقہ وارانہ پارٹی بازیاں ان ٹکروں میں وہ خونخواری اور بربادی پیدا کریں گی جس سے دیش کے جیون کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ اس لئے کانگریس کو اس ناش کاری ماحول (واتاورن) سے باہر آکر اس کے بچاؤ کا سامنا کرنا چاہیئے۔

باپو کا کہنا ہے کہ جیسے جیسے ہندستان اپنے اس جن راج کی منزل کی طرف بڑھے گا ویسے ویسے اس کی سول طاقتیں لازمی طور پر اس کی فوجی طاقتوں پر قابو پانے کے لئے ان سے ٹکرائیں گی۔ کانگریس کے لئے اچھا یہ ہے کہ وہ راج کاجی پارٹی بندیوں اور فرقہ وارانہ دل بندیوں کی گندی کھینچا تانی سے بالکل الگ رہے۔

ان سارے طوفانوں سے بچنے کے لئے، جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور ان سے دیش کو بچانے کے لئے باپو نے کانگریس کو لوک سیوک سنگھ بن جانے کی صلاح دی ہے۔ ان کے شبد یہ ہیں ـــ

"ان کارنوں سے اور اسی کے طرح دوسرے کارنوں سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی موجودہ کانگریس سنگٹھن کو توڑ دینے اور نیچے لکھے قاعدے کے انوسار لوک سیوک سنگھ کا سندر روپ لینے کا فیصلہ کرتی ہے!"

اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ انقلابی صلاح کانگریس کے لئے دوسری نہیں ہو سکتی تھی۔ کانگریس جیسے مہان اور شاندار سنگٹھن کو یہ صلاح دینا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ دے، باپو کا ہی کام تھا۔ باپو کو خود اس پر مشکل سے ہی یقین رہا ہوگا کہ وہ ان کی اس صلاح پر عمل بھی کرے گی۔ لیکن اگر ہم باپو کے جیون پر گہری نگاہ ڈالیں، اور کانگریس سے ان کا جو سمبندھ تھا، اُسے سامنے رکھیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ کانگریس مانتی یا نہ مانتی، باپو اس کو کوئی دوسری صلاح نہیں دے سکتے تھے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ باپو کے راج کاجی جیون کے شروع سے ان کی موت کے دن تک ان کے اور کانگریس کے وچاروں اور طریقوں میں ہمیشہ زمین آسمان کا فرق رہا ہے۔ یہی کارن تھا کہ وہ اُن کی صلاحوں اور طریقوں سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکی۔ یہ فرق بہت گہرا، اصولی اور سچا تھا۔ اس کو سمجھنے کے لئے باپو کے کام کرنے کے طریقوں پر گہری نظر ڈالنی چاہئے۔

قومی جیون کے نازک سے نازک موقعوں پر باپو نے بار بار کانگریس اور دیش کو یہ صلاح دی ہے کہ وہ راج سے کوئی سمبندھ نہ رکھے اور سرکاری دائروں سے بالکل الگ رہے، وہ کونسلوں اور اسمبلیوں میں بالکل

نہ جائے، وہ چناؤ میں حصہ نہ لے، وغیرہ وغیرہ کانگریس نے کبھی ان
صلاحوں کو مانا کبھی نہ مانا پر باپو اپنے اس خیال کو ہمیشہ اس کے سامنے
رکھتے رہے۔ اس کے پیچھے باپو کا ایک بنیادی اصول تھا جسے انگریزی
حکومت کے لیے ایک حد تک کانگریس نے منظور کر لیا تھا۔ وہ یہ کہ سرکار
سے الگ رہنا، سرکار کا مقابلہ کرنے کے لیے جنتا کی طاقت کو بڑھانا ہو
اور جو جماعت حکومت کو قابو میں کر کے اسے بدلنا، سدھارنا اور سیدھے
راستے پر لانا چاہتی ہے۔ وہ جب تک آپ حکومت کے دائروں سے
دور اور باہر نہ رہے گی وہ کبھی جنتا کی سچی نگرانی نہ کر سکے گی اور نہ اس
میں ہمت کے ساتھ سرکار کا مقابلہ کرنے کی شکتی پیدا کر سکے گی۔

کانگریس باپو کی اس بنیادی ہدایت کو کہ پارلیمنٹری حکومت کا سدھار
اس کے اندر رہ کر نہیں ہو سکتا، اس کا سدھار اس کے باہر رہ کر ہی ہو
سکتا ہے، نہیں سمجھ سکی۔ باپو در اصل کانگریس کو انگریزی سرکار کو
نکالنے کا سادھن نہیں بنانا چاہتے تھے۔ وہ اپنے خود پر اس کے لیے
اس سے بہت اونچی جگہ چن چکے تھے اور انھیں آشا تھی کہ انگریزی
سرکار سے جیتنے کے وقت تک کانگریس میں اتنی نیتک بلندی اور
دور اندیشی پیدا ہو جائے گی کہ وہ اُن کے اصلی مقصد کو سمجھ سکے
اور اُس پر عمل کر سکے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کانگریس جنتا کی
رکشا اور ترقی کا اور دیش کی سرکار کو جنتا کا سچا سیوک اور جنتا
کو دیش کا راجہ اور مالک بنائے رکھنے کا ایک ہتھیار، سادھن
اور طاقت بن جاوے، باپو کے لیے سچے سوراج کا یہی
پہلا قدم تھا۔

کانگریس دنیا کی اکیلی اور مہان سنستھا تھی جس نے تھوڑی بہت باپو کی رہنمائی میں نیتک پروگرام اپنا کر دنیا کے سب سے بڑے سامراج کا بنا فوج اور ہتھیاروں کے مقابلہ کیا تھا۔ اس نے بےمثال تیاگ اور بے غرض سیوا سے اپنے دیش بھائیوں کے دل پر قابو پا لیا تھا۔ باپو اس مہان سنستھا میں اس کے پرانے بھاؤ پھر سے جگانا چاہتے تھے۔ سیوا سنگھ بن جانے کی صلاح دینے سے ان کا یہ مطلب نہ تھا کہ اس کی سرکار کے منتری اور نیتا گاؤں میں بیٹھ کر چرخہ کاتنے کو اپنا کام بنا لیں۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اس کے سرکار سے ہٹ جانے کے بعد اس کی جگہ کوئی تاناشاہی یا فرقہ وارانہ سرکار قائم ہو جائے، بلکہ وہ کانگریس کو راج گدی سے ہٹا کر دیش رکشا اور دیش سدھار کے کام اس کے سپرد کر کے تاناشاہی یا دیش دروہی سرکار کے قائم ہونے کی سمبھاؤنا کو ہی سدا کے لئے مٹا دینا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کانگریس اگر راج کاج کو تج کر دیش سیوا کے میدان میں پھر سے آ جائے تو دیش کی کوئی بھی پارٹی اکیلے یا مل کر سرکار کا کام کانگریس کی مرضی کے خلاف کچھ دنوں کے لئے بھی نہیں چلا سکتی۔ اس کے باہر آ جانے سے اس کا تیاگ دیش میں ایک اخلاقی یا نیتک بل پیدا کر دیتا، وہ پھر ایک بار جاگ اٹھتا۔ کانگریس کی غیر معمولی سنگٹھن شکتی تھوڑے ہی عرصے میں جنتا کے جذبوں دچاروں اور سنگٹھنوں میں ایسا زبردست انقلاب پیدا کرتی کہ دنیا کی کوئی بھی حکومت، چاہے وہ کتنی ہی خود غرض، دنیا پرست اور دیش کی دشمن کیوں نہ ہوتی، کانگریس کے اثر اور قابو کے باہر دیر تک نہیں رہ

سکتی تھی، اس کے لئے اس کے سہیوگ اور مدد کے بنا سرکار چلانا بالکل ناممکن ہوجاتا۔ دراصل یہاں اس طرح دیش میں ایک ایسی اخلاقی یا سدآچاری حکومت قائم ہوجاتی جو یہاں کی راج کاجی حکومت سے اونچی ہوتی اور ہمیشہ اس کے سدھار اور رہنمائی کا فرض ادا کرسکتی۔ اس لئے جو صورت پنڈت جواہرلال نہرو کو ایسی ڈراؤنی نظر آتی تھی وہی باپو کی رائے میں دیش کو اس کے سارے موجودہ خطروں اور جھگڑوں سے ہمیشہ کے لئے بچا لینے کا اکیلا ذریعہ تھی۔

باپو کانگریس کو تخت سے اُتارنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کو دیش کا سچّا نمائندہ اور اصلی راجہ بنانا چاہتے تھے۔ اور اس طرح اُن ہنسا تمک راج کاجی انقلابوں کا سدا کے لئے خاتمہ کردینا چاہتے تھے جنھیں پارلیمنٹی حکومت قدرتی طور پر پیدا کرتی ہے۔ اور اس طرح وہ اس حکومت کا پچھمی جامہ اُتار کر اُسے اپنے دیش کی پوشاک پہنا دینا چاہتے تھے۔ لیکن آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے رہنما اُن کے ان جذبات اور وچاروں کو سمجھنے سے لاچار تھے کیونکہ پچھمی سبھیتا ان میں سے بہت سوں پر اپنا گہرا رنگ جما ئے ہوئے تھی اور پچھمی پنڈتوں نے انھیں یہ تعلیم دی ہے کہ راج کاجی انقلاب قدرت اور انسانی فطرت یا مانو پرکرتی کے لازمی کرشمے ہیں ـــــ اور باپو کے ستیہ اور اہنسا کا سبق قدرت کے قانونوں اور انسانی سوبھاؤ دونوں کے خلاف ہے۔ انھیں وچاروں کے کارن آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے باپو کی آخری وصیت ـــــ ان کے لوک سیوک سنگھ کے ودھان ـــــ کو جب وہ پرستاؤنا کے روپ میں اس کے سامنے پیش ہوا تو نامنظور کردیا۔

---

*

ستیاگرہ اور رچناتمک پروگرام

ودھان کی پرستاؤنا کے بعد باپو نے اپنے لوک سیوک سنگھ کا سنگٹھن بتایا ہے۔ مسودے سے پتہ چلتا ہے کہ باپو اس ودھان کی مدد سے راج کاجی دائرے سے باہر ایک ایسا گروہ پیدا کر دینا چاہتے تھے جو جنتا کا سچا سیوک ہو اور جنتا کا اس طرح اور اس پیمانے پر سنگٹھن کر دے کہ جنتا ہر ورودھی طاقت سے، چاہے وہ دیشی ہو یا ودیشی، اپنا بچاؤ کر سکے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس ودھان کی دفعاؤں کو ایک ایک کر کے بیان کریں، ہم کچھ ایسی باتیں کہنا چاہتے ہیں جن سے اسکے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں آسانی ہوگی۔

اس ودھان کو سمجھنے کی کوشش میں ہمیں اس بات کا خاص دھیان رکھنا چاہیئے کہ یہ ودھان باپو کی ۵۰ سال کی زندگی کی آخری کڑی ہے۔ یہ ان کے اس مقصد کو حاصل کرنے کا آخری پروگرام ہے جس کی طرف بڑھنے کی وہ ۵۰ سال سے کوشش کر رہے تھے اور جس کی بہت سی منزلیں وہ طے کر چکے تھے۔ اس لئے اگر ہم اس پروگرام کو باپو کے آدرشوں، اصولوں اور آندولنوں سے الگ کر کے دیکھنا چاہیں تو ہم اس کے اصلی مطلب کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ اس کے سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم باپو کے جیون کی پوری تصویر اپنے سامنے رکھیں۔

ہم نے اوپر باپو کے جیون کے کئی مقصدوں کی چرچا کی ہے پر سچ پوچھ یہ

کون کہہ سکتا ہے کہ باپو کی زندگی کا اصلی مقصد کیا تھا۔ کوئی کہے گا کہ ایشور کو ساکشات کرنا یعنی اس کا دیدار حاصل کرنا تھا۔ کوئی کہے گا کہ آتم درشن یا "سلف ریلائزیشن" تھا۔ کوئی کہے گا کہ انسان کی خدمت کرنا تھا۔ کوئی کہے گا کہ ملک کو آزاد کرنا تھا۔ کوئی کہے گا کہ پچھمی سبھیتا کے ناشک اور شیطانی پہلوؤں سے ہندستان کو اور اس کے ذریعے سے انسانی دنیا کو بچانا تھا۔ سچ یہ ہے کہ یہ سارے مقصد اُن کے سامنے تھے۔ اور یہ سب ایک ہی سچائی کے الگ الگ پہلو ہیں، ان میں کوئی ایکدوسرے کے خلاف نہیں۔ ایک ہی آدمی ان سب مقصدوں کو حاصل کرنے کی ایک ساتھ کوشش کرسکتا ہے۔

پر جہاں تک ہمارا سوال ہے ہم اس ودھان میں باپو کو دنیا کے ایک سیوک کی طرح دیکھیں گے، اور اس میں بھی ان کی زندگی کے اس حصے کو سامنے رکھیں گے جو خاص طور سے راج کاج سے سمبندھ رکھتا ہے۔ باپو کا یہ ودھان اس سارے سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ یہ سلسلہ دکھن افریقہ سے شروع ہوچکا ہے۔ وہیں باپو کے سامنے وہ صورتیں آئیں اور وہ ان نتیجوں پر پہنچے جن سے ان کے آگے کی زندگی کا سارا پروگرام طے ہوگیا۔ ہم سے نتیجوں میں سے کچھ، جو ہماری اس سمے کی چرچا سے سمبندھ رکھتے ہیں، نیچے دیتے ہیں ——

۱۔ پچھمی سبھیتا ایک شیطانی سبھیتا ہے۔

۲۔ پارلیمنٹی راج آج کل کا ڈھانچہ اور رنگ ڈھنگ انسانی دنیا کو مٹا دینے والا ہے۔

۳۔ اس سبھیتا اور اس طرح کے راج میں ایک اخلاقی انقلاب

یعنی نیتک کرانتی ہونا انسان کی بھلائی کے لئے ضروری ہے۔

۴۔ یہ انقلاب تلوار سے یا کسی بھی ہنسا کے طریقے سے پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کی انقلابی کوششیں انسان کی تباہی اور بربادی کو اور بھی بڑھا دیں گی۔

۵۔ کسی شیطانی طاقت کو اُس سے بڑی شیطانی یا حیوانی طاقت کھڑی کرکے اُس کے ذریعہ سے مٹانا غلط ہے، کیونکہ اس سے شیطانیت بڑھے گی، کم نہیں ہو سکتی۔

۶۔ حیوانیت کا مقابلہ صرف انسانیت سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مانو پریم کی شکتی تلوار کی شکتی سے زیادہ بلوان اور زیادہ اثر والی ہے۔

۷۔ اگر مانو پریم کو ستیاگرہ کا روپ دیا جاوے اور ستیاگرہ سے ایک بڑے پیمانے پر سداچار کی شکتی پیدا کردی جاوے تو دنیا کی کوئی ہنسا کی شکتی اس کے سامنے کھڑی نہیں رہ سکتی۔

۸۔ دنیا میں اخلاقی یا نیتک انقلاب دو ہی طریقوں سے پیدا ہو سکتا ہے۔

ایک تو خود حکومت کا دل بدل جانے سے دوسرے جنتا میں اتنی جاگرتی، شکتی اور سنگٹھن پیدا ہو جانے سے کہ وہ حکومت کی سچی مالک بن سکے اور حکومت کو ایک سچا سیوک بنے رہنے پر مجبور کر سکے۔

۹۔ اوپر کی دونوں باتیں ستیاگرہ اور رچناتمک پروگرام کی

مدد سے پوری ہوسکتی ہیں۔ ہندستان کی ہوا اس پروگرام کے لئے بڑی مددگار ہے۔ اگر ہندستان میں ایک گروہ تیاگی سیوکوں یعنی ستیاگرہیوں کا تیار ہوجاوے تو ان دونوں باتوں میں ایک نہ ایک اچھی طرح پوری ہوسکتی ہے۔

ان بنیادی وچاروں کو باپو دکھن افریقہ سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ستیاگرہی تیار کرنے کی بنیاد دکھن افریقہ میں فینکس آشرم کی شکل میں پڑچکی تھی۔ ہندستان میں آتے ہی باپو نے ستیاگرہ آشرم کھولا اور بھارت کو ستیاگرہ کی مدد سے آزاد کرانے کے لئے جو دوسری تیاریاں ضروری تھیں، شروع کردیں۔ پر جب باپو رولٹ ایکٹ والے آندولن کے سلسلے میں پہلی بار راج کاجی میدان میں اُترے تو ایک نئی کٹھنائی اُنکے سامنے آئی جسے انھوں نے دکھن افریقہ میں محسوس نہ کیا تھا۔

رولٹ ایکٹ والے آندولن کے شروع ہوتے ہی پنجاب اور کئی دوسری جگھوں پہ بلوے ہوگئے۔ لوگوں نے سرکار کی ہنسا کا ہنسا سے جواب دیا۔ اسی پہ باپو نے اپنے آندولن کو روک دیا۔ اس سمبندھ میں انھوں نے بمبئی میں اپنے دُکھ اور اپنی کٹھنائیوں کو ان شبدوں میں ظاہر کیا — "مجھ سے ایک ہمالہ پہاڑ کے برابر غلطی ہوگئی ہے" باپو نے اپنی غلطی یہ بتلائی کہ میں نے ایک نیتک ہتھیار کے بنا اُسے کام میں لانے کی تعلیم دیئے ملک کے ہاتھوں میں دے دیا۔

اگر ہم اس بنیادی بات کو دھیان میں رکھیں، تو ہمیں ستیاگرہ اور رچناتمک پروگرام میں کیا سمبندھ ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ

میں آسکتا ہے۔ باپو کہتے ہیں کہ ستیاگرہ جنگ اور روحانی ہتھیار ہے، اس لیئے جتنا یہ ہنسا کے ملاؤ سے پاک اور صاف رکھا جائے، اتنی ہی اس کی طاقت بڑھتی ہے اور اسی پیمانے پر یہ بھلائی کا سوتا بن جاتا ہے۔ ہنسا کا ملاؤ اس کی اخلاقی اور تعمیری طاقت کو نشٹ کرکے اس میں الٹے ناش اور بربادی کے بیج پیدا کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ باپو کے تعمیری پروگرام کا مطلب یہ تھا کہ وہ ملک کو جگا کر اس میں ایسا سداچار اور ایسا سنگٹھن پیدا کر دے کہ جس سے اس کے رہنے والوں میں ستیاگرہ کا ہتھیار کام میں لانے کی طاقت پیدا ہو سکے۔ باپو کی اس بات کو ملک اور کانگریس نہ سمجھ سکے۔ باپو کو اسی بات پر خلافت اور سوراج کے زوردار آندولنوں کے سب چھوٹے بڑے کانگریسی لیڈروں کی اچھا کے خلاف احمد آباد میں دوبارہ رکنا پڑا۔ چوری چورا کی ہنسا کے علاج کی صورت میں باپو نے وہ تعمیری پروگرام ملک کے سامنے رکھا جو باردولی پروگرام کے نام سے مشہور ہوا اور جیتے مرتے دم تک باپو اپنا بنیادی اور اصلی تعمیری پروگرام کہتے تھے۔

ان کے اس پروگرام کو اگر ہم دھیان سے دیکھیں تو ہمیں ان کے اس آخری بڑھاپے کو سمجھنے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ یہ پروگرام ہماری سوئی ہوئی سداچار کی طاقتوں کو پھر سے جگانے کے لیئے ویسا ہی تھا جیسا لقوے کے مارے ہوئے ہاتھ پیروں کے لیئے مالش۔ یہ ملک میں آتم بل پیدا کرنے کا ایک زبردست اور سیدھا سادا طریقہ تھا۔ باپو نے اس میں وہی ڈھنگ برتا

ہے جو کسی ایک آدمی کے سداچار کو ٹھیک اور اونچا کرنے کے لئے برتا جاتا ہے۔ یعنی اپنی کچھ نیتک کمزوریوں کو جو سب سے زیادہ دکھائی دینے والی اور بنیادی ہوں انھیں سامنے رکھ کر اُن کو دور کرنے پر اپنی ساری شکتی لگا دینا۔ اپنے باردولی پروگرام کو بنانے میں باپو نے دیش کی زندگی کے ایک ایک پہلو سے ایک ایک چیز چُن لی ہے۔ آرتھک سے چرخہ، مذہبی سے ہریجن اُدھار، راشٹری سے ہندو، مسلم ایکتا، اخلاقی سے شراب بندی اور دماغی سُدھار کے لئے تعلیم جس طرح دھرم کے چار چرن کہے جاتے ہیں اُسی طرح یہ پانچ باتیں قومی زندگی کے پانچ تعمیری پہلو ہیں۔

باپو کا خیال تھا کہ اگر ملک اُن میں سے ایک پر بھی اپنی ساری سکتی لگا کر اُسے پورا کرلے گا تو اُس میں اتنی جاگرتی سنگٹھن اور آتمبل پیدا ہو جائے گا کہ پھر اُس کے ستیہ گرہ یعنی اچھا شکتی کا کوئی حکومت مقابلہ نہیں کرسکے گی۔ پر جیسا ہم نے کہا کانگریس باپو کی تحریکوں کے اس پہلو کو نہ سمجھ سکی۔ نہ تو اُس کو باپو کے ستیہ اور اہنسا میں وشواس تھا۔ اور نہ وہ کسی نیتک جیون کی ضرورت محسوس کرتی تھی۔ اس لئے اُس نے باپو کے ستیاگرہ کے کیول راج کاجی پہلوؤں سے مدد لی اور اُس کے اخلاقی پہلوؤں کو بے دردی سے ٹالتی رہی۔ کانگریس کی آج کل کی گری ہوئی نیتک حالت اسی غلطی کا نتیجہ ہے جسے دنیا دیکھ کر حیران ہے۔ اسی کا یہ بھی نتیجہ ہے کہ ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ہم نے باپو کو بھی ہاتھ سے کھو دیا۔

یہ خطرے شروع سے ہی باپو کے سامنے تھے۔ کانگریس اور ملک کو اپنے رچناتمک پروگرام کی طرف سے بے پرواہ دیکھ کر اُن کے دل کو دُکھ ہوتا تھا۔ ایک بار اُنھوں نے اپنے اس دکھ کو ان شبدوں میں ظاہر کیا تھا۔

"میں ہزاروں بار دہرا رہا ہوں کہ اگر ہم رچناتمک پروگرام کو ایک اچھے پیمانے پر پورا نہ کر سکیں گے تو ہمیں سوراج نہیں مل سکتا۔ اگر مل بھی جائے تو ہم اسے رکھ نہیں سکیں گے۔ اگر رکھ بھی سکیں گے تو اُس کا وہ روپ نہ ہوگا جس کا ہم سپنا دیکھ رہے ہیں۔"

باپو کی اس تڑپ کا کوئی اثر ملک پر نہ پڑا۔ مشکل یہ تھی کہ ستیہ اور اہنسا کا جو روپ اور اس سے جو آشائیں وہ ملک کے سامنے رکھ رہے تھے۔ اُن پر ملک کو کسی طرح بھروسہ نہ ہوتا تھا پچھمی سبھیتا دیش کے سب لوگوں پر گہرا اثر ڈالے ہوئے تھی۔ یہ اثر لوگوں کی طبیعتوں کو اخلاقی اور روحانی باتوں کی طرف جانے ہی نہ دیتا تھا۔ ادھر باپو کے لئے ستیہ اور اہنسا کی شکتی ایسی صاف تھی کہ جیسے ہمارے پاؤں کی شکتی۔ وہ اس کے ہر پہلو اور اس کی پوری طاقت کو جانتے تھے۔ یہی کارن تھا کہ وہ بے چین تھے کہ مانو جاتی اس سے جلدی سے جلدی پورا فائدہ اُٹھا سکے۔ اسی لئے باپو ستیہ گرہ اور تعمیری پروگرام دونوں پر ایک سا دھیان اور ایک سا زور دیتے تھے۔ اور اُنھوں نے کانگریس یا ملک کی لاپرواہی کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ کانگریس باپو سے کیسے برابر دور ہی ہوتی گئی۔ اسی کے ساتھ باپو کی ساری رچناتمک کوششیں کمزور ہوتی گئیں کیونکہ یہ کوششیں بھی انگریزی راج سے لڑائی

کے دنوں میں کانگریس کے ہی کام پر شروع کی گئی تھیں۔ باپو کی بھنائی یہ بھی کہ وہ نہ تو کانگریس کو پوری پوری مدد دینے سے مُڑ سکتے تھے کیونکہ اس سے کانگریس انگریزی راج کے مقابلے میں کمزور پڑ جاتی، نہ اس کے سدھار کے لئے کوئی سخت قدم اُٹھا سکتے تھے کیونکہ اس میں دو رخی لڑائی شروع ہو جاتی اور ملک کی طاقت اور دھیان دونوں بنٹ جاتے۔ رچناتمک کاموں کو پوری طاقت کے ساتھ چلانے کے لئے اُن میں ستیہ گرہ کے پہلو کا ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ باپو کے یہ دونوں پروگرام ایک جان اور دو قالب اور ایک ہی ڈھال کے دو پہلو تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باپو کے سارے رچناتمک پروگرام آہستہ آہستہ مرجھانے اور بے جان ہونے لگے۔

رچناتمک کام کرنے والے بھی اس اثر سے نہ بچ سکے۔ یہ لوگ باپو کی تحریکوں کے چانکاروں کی صورت میں چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ باپو عام طور سے ان کو راج کاج کی برائیوں اور کھینچا تانی سے الگ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ پر سمے سمے پر انھیں اپنی رزرو سینا کی طرح راج کاجی ستیہ گرہیوں میں لے لیا کرتے تھے۔ اس لئے انھیں ایک تو ستیہ گرہ سے کوئی سیدھا سنبدھ نہ رہتا تھا، دوسرے اگر یہ کانگریس کے ساتھ ستیاگرہ میں حصہ لیتے تھے تو ان کے اور کانگریس والوں کے طریقوں میں بہت کم فرق ہوتا تھا۔ تیسرے جو باتیں ان کا سب سے زیادہ دل توڑ دیتی تھیں وہ یہ تھیں کہ باپو کانگریس اور اس کے اُن نیتاؤں کا، جو رچناتمک کام کو فضول اور بڈھیوں کا کام سمجھتے تھے، ہمیشہ ساتھ دیتے رہتے تھے۔ ان کی

طاقت کو طرح طرح سے بڑھاتے رہتے تھے۔ اور جہاں کہیں رچناتمک کام کرنے والوں اور ان کانگریسی نیتاؤں میں کوئی ٹکر ہو جاتی تھی، یا پوبت کرکے کانگریسی نیتاؤں کی ہی طرفداری کرتے تھے۔ انگریزی سرکار ان کے رچناتمک کام میں سیدھے بہت کم دخل دیتی تھی۔ اس لئے رچناتمک کام کے میدان میں وہ حالت ہی نہ پیدا ہوتی تھی جس میں ستیاگرہ کرنے کی ضرورت ہو، اور حکومت کے حملوں کے مقابلے میں ان میں شکتی اور آتمبل پیدا ہو۔

بے غرض سیوا سے آتمبل پیدا ہوتا ہے پر اسی حالت میں جب ستیاگرہ اور تعمیر کا پروگرام دونوں ہمارے سامنے ایک ساتھ ہوں۔ ایک سے ہم تعمیر یعنی رچنا کریں اور دوسرے سے اس اپنی تعمیر کو ان شکتیوں سے بچا کر رکھیں جو اسے بگاڑنا چاہتی ہیں اور نئی زمینیں صاف کریں اور راستوں کی رکاوٹوں کو ہٹاتے رہیں۔ یہ سب باتیں برابر جاری رہنا ضروری ہیں۔ آتمبل اپنے آپ پیدا نہیں ہوتا، اسے پیدا کرنے کے لئے دل کی صفائی اور اپنے اوپر قابو دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیول چرخہ کاتنا یا کوئی بات بھی کیول رسم پوری کرنے کے لئے کرنا ایک بے جان روٹین یا روڑھی کی صورت لے لیتا ہے، جب تک ان کے پیچھے کسی اونچے مقصد کو پورا کرنے کا وچار نہ ہو۔ اگر ہم چرخے کی پیچھے سمجھتا بوجھ پانے اور اپنے ملک کو غلامی سے آزاد کرانے کو دل میں لے کر کاتتے ہیں اور اپنے آرتھک جیون سے ہر ایسی رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس کوشش کی کامیابی کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہیں تب ہم میں

آتمبل اور سنگٹھن شکتی پیدا ہوگی۔ لیکن اگر ہم کیول چرخہ سنگھ کے ممبر کے فرض کی طرح یا باپو کی خوشی کے لئے یا لوگوں پر ثابت کرنے کے لئے کہ ہم گاندھی وادی ہیں، کاتتے ہیں۔ تو اس سے آتمبل پیدا ہونے کی جگہ ہماری اخلاقی طاقت اور بھی کمزور اور برباد ہو جاتی ہے۔ کیوں رچناتمک کام کرنے سے اُس کام کو اچھے سے اچھے نتیجوں کے ورودھیوں سے بچا کر رکھنے کی طاقت ہم میں پیدا نہیں ہو سکتی یہ طاقت تب پیدا ہوتی ہے جب رچناتمک کام کے ساتھ ساتھ ہم میں یہ خیال بھی بنا رہے کہ ہمیں اپنی جان دے کر بھی اسے بچا کر رکھنا ہے۔ یعنی رچناتمک کام کے ساتھ ساتھ ستیہ گرہ کی شکتی اپنے اندر پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔

باہری ورودھی شکتی سے کامیابی کے ساتھ ٹکر لینے کی طاقت ہم میں تبھی پیدا ہو سکتی ہے جب اس کو مٹانے کا خیال ہر سمے ہمارے سامنے رہتا ہے۔ اور اس خیال کو ہم نیک نیتی کے ساتھ ہر وقت اپنی زندگی میں اصلی روپ دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اگر یہ پہلو ہماری رچناتمک سیوا میں نہیں ہے تو ہم اپنے آس پاس کوئی اچھا انقلاب پیدا نہیں کر سکتے۔ ہمارے رچناتمک آندولن یہ صورت نہ دے سکے۔ اگر یہ صورت پیدا ہو گئی ہوتی تو ہماری راشٹریہ زندگی کے ہر پہلو میں ایک بڑا انقلاب پیدا ہو گیا ہوتا۔

کچھ سمے سے اور خاص کر آخری دنوں میں باپو ان دونوں سے محسوس کر رہے تھے کہ اُن کے سارے رچناتمک کام بے جان اور پھیکے ہو رہے ہیں۔ اُن میں وہ نیتک شکتی باقی نہیں رہی جو اُن کی

اصلی جان اور روح ہیں۔ مثال کے طور پر کھادی کے آندولن نے انقلابی صورت لینے کے بجائے کیول گھٹیا درجے کے بیوپار اور بیوپاری کی شکل لے لی تھی۔ لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے بجائے کھادی سے اُنھیں اور بھی نفرت ہوتی جاتی تھی۔ کھادی کی بڑی بڑی سنستھاؤں کو لوگ کھلے بندوں ایسٹ انڈیا کمپنی کہتے تھے۔ ہریجن سیوا کی تحریک ہریجنوں کو کچھ آسانیاں اور حق دلوانے تک رہ گئی۔ اس نے ہندو سماج اور دھرم پر وہ اثر نہ ڈالا جس کی باپو کو امید تھی۔ باپو کہا کرتے تھے۔ کہ اگر ہندوؤں نے ہریجن آندولن کے اصلی مطلب کو سمجھ لیا اور اسے اپنی زندگی میں سچے دل سے جگہ دے دی تو ہندو سماج ایک نیا جنم لے لے گا۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک ہندو سماج کے ماتھے سے یہ کلنک کا ٹیکہ نہ مٹے گا تب تک ہندو سماج نفرت اور خود غرضی کا سوتا بنا رہے گا اور سچے ہندو مسلم اتحاد کی گہری بنیادیں کسی صورت میں قائم نہ ہو سکیں گی۔

ہندو مسلم ایکتا کے آندولن میں بھی باپو اپنے دل کا مطلب لوگوں کو نہ سمجھا سکے۔ اس میں اُن کا اتنا قصور نہ تھا۔ ملک اتنا اونچا اُٹھ ہی نہیں سکتا تھا۔ کہ ان کی صلاحوں اور ان کے آندولنوں سے پورا فائدہ اُٹھا سکے۔ پچھم کے اثر نے اسے نکما اور اندھا کر دیا تھا۔

باپو شانتی سینا کے سنگٹھن کو ہندو مسلم دنگوں کے ختم کر دینے کا اصلی اور آخری علاج مانتے تھے۔ پر اس پروگرام

کو عملی روپ دینے کے لئے وہ اپنے پیارے سے پیارے شاگردوں کو بھی راضی نہ کرسکے۔ مدتوں پہلے اُنھوں نے شانتی سینا کے خیال کو "گاندھی سیوا سنگھ" کے سالانہ جلسے (رام گڑھ) میں رکھا تھا۔ پر گاندھی سیوا سنگھ کے ممبروں نے اسے عملی بات نہ سمجھ کر اس پر کام کرنے سے انکار کردیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اور باتوں کے ساتھ ساتھ اس بات نے بھی سیوا سنگھ کے قریب قریب توڑ دیئے جانے میں بڑا حصہ لیا ہو۔ آخری دنوں میں جب ہندو مسلم دنگے اتنی بری صورتیں لے رہے تھے۔ باپو نے شانتی سینا کا چرچا پھر سے شروع کیا تھا۔ اس زمانے میں اُن کے ایک چیلے نے اُنھیں لکھا کہ "باپو! ہندو مسلم دنگوں میں نہتے گھُس کر جان دینے کی صلاح آپ ہمیں مدتوں سے دیتے رہے ہیں۔ پر آج تک آپ نے یہ ہمیں خود کرکے نہیں دکھایا۔ گو کہ آپ اپنی صلاحوں پر سب سے پہلے خود عمل کرتے ہیں" باپو نے اس کا جواب دیا تھا کہ "میں ایشور سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ مجھے اس کا موقع اور توفیق (سوبھاگیہ) دے"

اسی طرح گاؤں کی دستکاریوں کو پھر سے جلانے کے آندولن نے بھی کوئی عملی صورت ہی نہ لی۔ کیونکہ رچنا تمک کام کرنے والوں میں سے جو جس کام میں لگا ہوا تھا وہ اُسی کو اپنی حد اوراتی شری سمجھتا تھا۔ اس کی کسی دوسری طرف نگاہ ہی نہ جاتی تھی۔

کھادی کے کام میں باپو کے سب سے زیادہ کام کرنے والے لگے ہوئے تھے۔ باپو نے ان کو کھادی کے بیوپاری روپ کو توڑ دینے کی صلاح دی اور یہ کہا کہ کھادی کی پیداوار کو بڑھانے کی جگہ

نہ کرکے اسے سوادلمبن تک محدود کر دیں، یعنی ہر گاؤں اپنی ضرورت کا کپڑا خود بنالے۔ ان کام کرنے والوں نے باپو کی اس صلاح کو عملی نہیں سمجھا اور اپنے اپنے کاموں سے استعفا دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ باپو نے ان سے کہا کہ تم اپنا کام کرو میں اپنے لئے دوسرے کام کرنے والے ڈھونڈھ لوں گا۔

یہ سارے پہلو باپو کے سامنے تھے۔ جہاں ملک کے ستانے والی طاقتیں دن بدن زور پکڑتی جاتی تھیں وہاں تعمیری پروگراموں کی یہ کمزوریاں باپو کی سب میں بڑی پریشانی تھی۔ باپو برابر اپنی کٹھنائیوں پہ قابو پانے کے خیال میں ڈوبے رہتے تھے۔ اپنے پرانے نقشوں میں ادل بدل کرتے تھے اور پھر انھیں تجربے کی کسوٹی پہ کستے رہتے تھے ہر طرح کوشش کرکے وہ کسی آخری نتیجے پہ پہنچنا چاہتے تھے۔ کانگریس بالکل اُن کے اثر سے باہر ہو چکی تھی اس سے اُن کے سارے پرانے سمبندھ ٹوٹتے جا رہے تھے اور باپو کے سامنے یہ سوال تھا کہ کانگریس کے ساتھ نئے سمبندھ کن بنیادوں پہ قائم کریں۔ مدتوں سے اُن کا دماغ دھیان کسی ایسے پروگرام کی کھوج میں تھا جس میں اُنکی ان ساری کٹھنائیوں کا کوئی حل نکلے اور وہ اپنی ساری شکتیوں کو ایک جگہ کرکے اور اپنے سمبندھ کو ان میں سے ہر گروہ کے ساتھ اور واضح کرکے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی ایک زبردست اور آخری کوشش کریں۔

انت کو باپو کی ان سب کوششوں کا نتیجہ دکھائی دیا۔ باپو کے سامنے ایک نئے سنچالے آندولن کا ڈھانچہ آگیا۔ جس کا بنیادی اُصول یہ تھا کہ دیش کے سارے رچنا تمک سنگٹھنوں اور آندولنوں کو توڑ کر ایک اکیلا سنگٹھن قائم ہو۔ گاؤں کی زندگی کے ہر پہلو کو الگ الگ نہ لے کر گاؤں کی پوری زندگی

میں ایک سداچاری، مالی اور سماجی انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس نئی تحریک کا ڈھانچہ مدتوں سے باپو کے سامنے بن چکا تھا۔ اور اس ڈھانچے کی ہر جانچ وہ اکثر سمگرہ گرام سیوا کے روپ میں کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کے سامنے کیول یہ سوال باقی رہ گیا تھا کہ وہ اس نئے آندولن کو راشٹر کے سامنے کس روپ میں رکھیں۔ پر ملک کی حالت انھیں دم بھر بھی مہلت نہیں لینے دیتی تھی۔ پھر بھی باپو نے یہ ودھان تیار کر ہی لیا، اس کا مسودہ بنانے اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سکریٹری کو دینے کے کچھ دن پہلے انھوں نے وردھا میں ایک رچناتمک کاریہ کرتاؤں کی کانفرنس بلانے کا انتظام کیا تھا۔ اس ودھان سے صاف ظاہر ہے کہ کانگریس اسے منظور کرتی یا نہ کرتی، اس کے چلانے اور کامیاب بنانے کی ذمہ داری اسی کانفرنس کے کاریہ کرتاؤں کو اٹھانی پڑتی۔ کیونکہ معمولی راج کاج میں ڈوبے ہوئے کانگریس والوں کے لئے کوئی جگہ اس کی کمیٹیوں میں نہیں رکھی گئی تھی۔ بدقسمتی سے باپو کے مر جانے نے یہ سارا قصہ ہی ختم کر دیا۔ ان کے مرنے کے بعد کانگریس کے لئے اس ودھان کی طرف کوئی دھیان دینا ناممکن تھا۔ رچناتمک کام کرنے والوں کے لئے اپنی موجودہ سنگٹھن میں یہ ودھان کیول آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لئے ایک سجھاؤ تھا جس سے ان کا کوئی سمبندھ نہیں تھا۔ باپو کے مرنے کے بعد وردھا میں رچناتمک کاریہ کرتاؤں کی کانفرنس ہوئی۔ ہو سکتا

تھا کہ اُس کے سامنے یہ سوال آتا۔ پر اُس کانفرنس کی باگ ڈور کانگریس اور حکومت کے بڑے بڑے لوگوں کے ہاتھوں میں رہی۔ اس لئے اُس کانفرنس کا ادھر دھیان جانے کی کوئی صورت ہی نہیں رہی۔

سمگر گرام سیوا اور سوا ولمبن

ہم نے اوپر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ باپو کے ستیا گرہ اور رچناتمک پروگرام کا اصل روپ کیا ہے اور اُن میں کیا سمبندھ ہے اور باپو نے اپنا یہ آخری ودھان کیوں بنایا۔ اس ودھان میں ان دونوں کا وچار کیوں اور کس طرح رکھا گیا ہے۔ ہماری سمجھ کی کوششیں اگر ستیہ اور اہنسا پر قائم ہیں۔ تو ان میں یہ دونوں پہلو یعنی رچناتمک کام اور ستیاگرہ الگ الگ کئے ہی نہیں جا سکتے۔ ہم نے یہ بھی کہا ہے کہ باپو نے بہت دن سوچنے کے بعد اپنے نئے آندولن کو چلانے کے لئے بھی باپو نے گاؤں ہی کو کیندر یا مرکز بنایا۔

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے ہم دو شبدوں کو صاف کر دینا چاہتے ہیں۔ جو آج کل کے راج کاج اور ودھانوں میں بہت برتے جا رہے ہیں۔ ایک سنٹرلائزیشن جسے کیندری کرن یا مرکزیت کہتے ہیں۔ دوسرا ڈی سنٹرلائزیشن جسے وکیندری کرن، یا غیر مرکزیت کہتے ہیں۔ پہلے کا مطلب یہ ہے کہ کسی دیش یا راج میں راج کی ساری شکتیاں اور ادھیکاروں کو جہاں تک

ہو سکے ایک سنٹر، کیندر یا مرکز میں جمع کر دیا جا دے جس میں دیش کی مرکزی سرکار خوب بلوان ہو۔ دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ راج کی طاقت اور ادھیکاروں کو دور دور تک الگ الگ علاقوں میں بانٹ دیا جا دے، جس میں ہر علاقے والوں کو اپنے یہاں کے سب کاموں میں زیادہ سے زیادہ آزادی ہو۔

باپو کا یہ اٹل وشواش تھا کہ جمہوریت یعنی لوک راج میں مرکزیت کی کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ مرکزیت دیش کی دولت، طاقت اور وسیلوں کو تھوڑے سے آدمیوں کے ہاتھوں میں جمع کر دیتی ہے۔ لوک راج کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب آدمیوں کے ہاتھوں میں برابر پہنچ سکیں۔ اتہاس کے شروع سے آجتک آدمی کی ساری سماجی اور راج کاجی زندگی کا جھکاؤ مرکزیت سے جمہوریت یعنی غیر مرکزیت کی طرف رہا ہے۔ تانا شاہی (آٹوکریسی) ملا شاہی (تھیوکریسی) رئیس شاہی (ارسٹوکریسی) دھنوان شاہی (پلوٹوکریسی) نوکر شاہی (بیوروکریسی) سماج واد (سوشلزم) اور سامیہ واد (کمیونزم) رہتے ہوئے دولت اور طاقت کے حصے داروں کی گنتی برابر بڑھتی رہتی ہے۔

سچ یہ ہے کہ یہ سارا جھکاؤ انسانی برابری یعنی سچے بھائی چارے کی طرف تیزی کے ساتھ جا رہا ہے۔ لوک راج اور انسانی بھائی چارہ دونوں ایک ہی سچائی کے دو نام ہیں۔ لوک راج کا مقصد دنیا کی دولت، طاقت اور وسیلوں کو سب انسانوں میں برابر بانٹ دینا ہے۔ ہزاروں

سال کا تجربہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اگر دولت، طاقت اور وسیلے کسی خاص گروہ کے ہاتھ میں جمع ہو جاتے ہیں تو وہ گروہ انھیں انصاف کے ساتھ اور نسوارتھ ہو کر سب حقداروں تک کبھی نہیں پہنچا سکتا۔ پھر یہ حقدار اپنا سنگٹھن کرکے اپنا حق اس مرکزی طاقت سے چھین لینے کے لئے حد درجہ کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی اُن خونخوار راج کاجی انقلابوں اور طوفانوں کا کارن ہے جن سے انسانی دنیا کپکپا رہی ہے، اور یہ طوفان کسی طرح ختم نہیں ہو سکتے جب تک یہ بٹوارہ انصاف اور انسانیت کی بنیادوں پر پورا نہیں ہو جاتا۔

اسے پورا کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ گروہ جو دولت، طاقت اور وسیلے اپنے ہاتھ میں لئے ہے اپنے اندر اتنا اونچا سداچار پیدا کرے کہ وہ جنتا کا نسوارتھ اور ونیت سیوک بن جاوے اور اپنے لئے کسی طرح کا کوئی بھی فائدہ نہ اٹھاوے اور نہ اپنے ذریعے کسی دوسرے کو ناجائز فائدہ پہنچا کر ساری طاقت اور وسیلوں کو حقدار جنتا میں برابر برابر انصاف کے ساتھ بانٹ دے۔ پر ہم نے دیکھ لیا کہ کانگریس جیسی تیاگی جماعت بھی جس نے ۳۰ سال تک اونچے سے اونچے سداچار کی تعلیم پائی تھی۔ حکومت اور طاقت ملنے کے بعد اس اونچے آدرش کو نہ نبھا سکی۔ اس سے ہمیں یہ آخری سبق ملتا ہے کہ یہ راستہ کٹھن اور لگ بھگ ناممکن ہے اور دنیا کی یہ مصیبت مرکزیت کے رہتے ہوئے کسی طرح دور نہیں ہو سکتی۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ دکینیدری کرن یعنی غیر مرکزیت اس طرح آخری درجے تک پہنچا دی جائے کہ مرکزی حکومت کے ہاتھوں میں کم سے کم طاقت، کم سے کم دولت اور کم سے کم وسیلے رہ جا دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جنتا میں اتنی جاگرتی، اتنا سنگٹھن، اتنا سداچار اور اتنا آتم بل پیدا ہو جائے کہ وہ حکومت کو پوری طرح سداچار کے اصولوں پر چلنے کے لئے مجبور کر سکے۔ اس کے لئے جنتا کا اہنسا اور ستیہ کے راستے پر چلنا ضروری ہے۔ کیونکہ ہنسا کا راستہ نیائے اور انسانیت کے حدوں کے اندر نہیں رہ سکتا۔

جنتا کے اندر یہ اونچا سداچار ایک ہی حالت میں پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم جنتا کے دلوں میں لوک راج کا سچا مطلب جما دیں۔ ہم جنتا میں یہ پکا وشواش اور بھاؤ پیدا کر دیں کہ دنیا کی دولت، طاقت اور وسیلوں میں سب آدمیوں کا برابر کا حصہ ہے، اور ان چیزوں کا انصاف کے ساتھ بٹوارہ کسی صورت میں بھی اپنی ضرورتوں کو بڑھانے اور اپنے پڑوسیوں سے بڑھ کر آرام طلبی کی طرف جانے سے پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ بٹوارہ ہمارا سب کا دھرم ہے یہ ہمارے دین کا ایک حصہ ہے۔ اس دھرم کو پورا کرنے میں ہمیں ہر انسان کو اپنا سگا بھائی کیول شبدوں میں نہیں بلکہ عمل میں بھی ماننا پڑے گا۔ دوسرا خاص پہلو یہ ہے کہ اس سمے دنیا میں دولت اور وسیلے یعنی دھن دھانیہ کم ہیں اور ضرورتمندوں کی گنتی ہزاروں گنا زیادہ ہے۔ اسلئے ہمیں کیول نیائے کا ہی نہیں بلکہ نیائے سے بڑھ کر تیاگ کا بھی راستہ پکڑنا

چاہیئے۔ اپنے سگے بھائی کے بھوکا یا ننگا رہتے ہوئے اگر ہم کوئی ایسی چیز اپنے قبضے میں رکھتے ہیں جو ہماری زندگی کے لئے اتنی ضروری نہیں ہے تو یہ نہ انسانیت ہے اور نہ انصاف اور نہ نیائے۔ یہ انیائے ہے اور ظلم۔ اس لئے ہمیں اپنی ضرورتوں کو کم سے کم کر لینا چاہیئے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرینگے اور اپنے پاس دوسروں سے زیادہ سامان رکھیں گے تو ہمارے اس سامان کو دیکھ دیکھ کر دوسروں کے دل میں دھیرے دھیرے ہم سے غصہ اور نفرت پیدا ہونا قدرتی ہے۔ پھر یہ ڈر ہے کہ وہ ہمیں نقصان پہنچانے اور مٹانے کے جائز اور ناجائز طریقے ڈھونڈھ نکالیں اور انھیں کام میں لادیں۔ ان کی گنتی بہت ادھک اور ہماری بہت کم ہے اس لئے انت میں ہمیں بھی کھانے بن رہنا پڑے گا۔ پرانی دنیا میں یہ باتیں اس واسطے چل سکیں کہ اس زمانے میں انسانی بھائی چارے اور لوک راج کا اتنا زور شور نہ تھا۔ ان آدرشوں کا جو کچھ اثر تھا وہ سداچاری اور خیالی دنیا تک ہی تھا۔ راج کاجی اور آرتھک یا مالی جیون میں ان آدرشوں پر عمل کرنے کرانے کا خیال نہیں کے برابر تھا۔ اب دنیا بدل گئی ہے۔ اب لوگ ان آدرشوں پر دوسروں سے زبردستی عمل کرانا اپنا حق سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے زمانے کی ہوا کو دیکھ کر ہمیں بھی بدلنا چاہیئے۔ جو دیش راشٹریہ گروہ اپنے آس پاس کی حالت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اپنے کو بدلنے کی یوگیتا اپنے میں سے کھو بیٹھے ہیں۔ وہ دنیا کی گہری سے گہری مصیبتوں میں پڑ کر آخر تباہ ہو جاتے ہیں۔

اس لوک راج کے دور میں، جو ہم سب کو سگے بھائیوں کے ناتے

میں باندھنا چاہتا ہے، شاسک اور شاسیت، حاکم اور محکوم مالک اور نوکر، برہمن اور شودر، اونچ اور نیچ، امیر اور غریب، زمیندار اور رعایا، مل مالک اور مزدور، اس طرح کے کوئی بھید بھاؤ قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ سب بھید بھاؤ ہمارے سماجی جیون میں طاقت اور دولت کی مرکزی صورتیں ہیں۔ ان کا مٹا دینا دوسروں کے بھلے کے لئے ہی نہیں دنیا کی شانتی کے لئے اور ہماری اپنی سلامتی کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس لئے اونچا سدا چاری وہ راستہ ہے جس سے ہر ایک کو دنیا کی اچھی چیزوں میں برابر کا حصّہ پہنچ سکتا ہے۔ ہم ذرا گہری نگاہ سے دیکھیں تو ہمیں اچھی طرح دکھائی دے جائے گا کہ اس معاملے میں پرروپ کار اور سوارتھ دونوں ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں۔ ہمیں اس سدّھانت کو کہ ہر آدمی سے اس کی شکتی کے انوسار کام لینے چاہیئے اور اسے اس کی ضرورتوں کے انوسار دنیا کی چیزیں دینی چاہئیں، انسانی زندگی کا سنہرا اصول اور سب سے بڑا دھرم سمجھنا چاہیئے۔ اور اسے عملی روپ دینے کے لئے مرکزیت کے راستے کو چھوڑکر زیادہ سے زیادہ غیر مرکزیت کا راستہ پکڑنا چاہیئے اور دنیا کی نئی رچنا اور نئی تعمیر کی بنیا دیں اوپر سے نہیں بلکہ نیچے سے نیچی سطحوں سے اٹھائی چاہیئے

باپو کی ہر سدھار یوجنا کو سمجھنے کے لئے ہمیں اوپر کے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ اگر باپو کبھی نیشنلائزیشن کی طرف داری کرتے تھے یا یہ صلاح دیتے

تھے کہ دھن وانوں، راجاؤں اور سرکاروں کو اپنے کو جنتا کا ٹرسٹی ماننا چاہیئے تو اس کا یہ کارن نہیں تھا کہ وہ مرکزیت کے خلاف نہیں تھے، بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک مرکزیت کسی روپ میں بھی موجود ہے تب تک اس سے جو نقصان ہو رہا ہے اور ہونے کا ڈر ہے اس سے بچنے کے یہی سب سے اچھے طریقے ہیں۔ جہاں تک نئے سماج اور نئی دنیا کی رچنا کا سوال ہے وہاں تک باپو کے سامنے ہمیشہ مدھ ویچ کی غیر مرکزیت رہتی تھی یہی کارن تھا کہ انہوں نے اپنے سب آندولنوں اور اپنی سب یوجناؤں میں گاؤں کو ہی مرکز رکھا اور گاؤں میں بھی ہر آدمی کے آتم شدھار پر سب سے زیادہ زور دیا۔

باپو پچھمی سبھیتا اور پارلیمنٹری راج کو مرکزیت کا سب سے بڑا بُت مانتے تھے۔ انھیں ڈر تھا کہ ان سے سارے دیش میں اور ہمارے جیون کے سب پہلوؤں میں مرکزیت کا زہر پھیل جائے گا۔ وہ دیکھتے تھے کہ ہندوستان کے شہروں پر غلامی کا سکہ جم چکا ہے، پر گاؤں ابھی ایک درجے تک بچے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ گاؤں گاؤں میں ایسا سداچاری، مالی اور روحانی سنگٹھن پیدا کر دینا چاہتے تھے جو انھیں پچھمی سبھیتا کی غلامی سے بچا سکے۔ انھیں یہ بھی ڈر تھا کہ جب تک ہمارے گاؤں میں سنگٹھن ٹھیک نہ ہو جائے گا تب تک راج کی مرکزی شکتی انھیں اپنے مطلب کے لیے کام میں لاتی رہے گی اور دیش میں ہنسا بھرے انقلابوں کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اسی لئے باپو گاؤں کی زندگی کو ہر مرکزی اثر سے آزاد کر دینا چاہتے تھے۔

باپو کے سامنے گاؤں کے غیر مرکزی راج کا جی جیون کا

ڈھانچہ کیا تھا اس کا ہم کچھ انومان ان پرانی پنچائتوں سے کہہ سکتے ہیں جو انگریزی راج کے ہزاروں سال پہلے سے اس دیش میں قائم تھیں۔ بھارت کی سبھیتا نے اپنی روحانی اونچائیوں اور مالی چکا چوندھ کے ساتھ ساتھ اپنے راج کاجی جیون کو بھی ایسے عجیب سانچوں میں ڈھالا تھا جس کی مثال دنیا کے کسی بھی دوسرے دیش میں ملنا کٹھن ہے۔ اس نے دیش کے مرکزی راج کو راشٹر کے سچے مالی، روزگاری سدا چاری اور راج کاجی جیون سے بالکل اونچا اور الگ کر دیا تھا، اس نے اپنی مرکزی حکومتوں کی ساری شان شوکت اور آڈمبر کو بنائے رکھتے ہوئے بھی گاؤں کی زندگی میں لوک راج قائم کر رکھا تھا۔

باپو کی کتاب "ہند سوراج" سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندستانی سبھیتا کے اس پہلو کے پورے جان کار تھے اور ان کے دل پر اس کا بڑا گہرا اثر تھا۔ اسی لئے انھوں نے جتنی سدھار کی یوجنائیں دیش کے سامنے رکھیں ان سب پر ان پرانی گاؤں پنچائتوں یعنی آزاد لوک شاہیوں (ریپبلکس) کا گہرا رنگ تھا پر اپنے اس جھکاؤ کو باپو شاید کبھی پہلے اتنا صاف صاف ظاہر نہیں کر پائے تھے جتنا سمگر گرام سیوا اور سوولمبن کی یوجناؤں میں انھوں نے دکھایا ہے۔ سمگر گرام سیوا کا مطلب ہے گاؤں والوں کی آرتھک نیتک اور سب طرح کی ایک ساتھ سیوا اور اُنتی، سوا ولمبن کا مطلب ہے ہر گاؤں والوں کا ہر بات میں اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونا، یعنی کسی بات میں بھی کسی باہر والے کا محتاج نہ ہونا۔ اپنے دیش کے

اتہاس کے اس پہلو کو جو اس بات سے سمبندھ رکھتا ہے ہم نیچے دیتے ہیں۔

اتہاس کے سب پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ہزاروں سال تک ہندستان کے ہر گاؤں میں پنچایتی راج قائم تھا۔ اس کا روپ یہ تھا کہ گاؤں کے لوگ اپنے میں سے کسی ایسے ایک آدمی کو جو اپنی نیکی، سچائی، ایمانداری اور دوسروں کی بے لاگ سیوا کے لئے گاؤں میں مشہور ہو، اس کی خوشامد کرکے اسے پنچ بننے پر راضی کر لیتے تھے۔ اسی طرح دوسرے چار پنچ چُنے جاتے تھے۔ ان پانچ پانچ پنچوں کی یہ پنچایتیں گاؤں کی تعلیم، عدالت، صفائی، تندرستی اور رکشا کے سب کام کرتی تھیں۔ ان سب کاموں کو کرنے کے لئے بہت پرانے زمانے سے انھیں زمینوں کی معافیاں اور آسامیاں ملی ہوئی تھیں، جنھیں گاؤں کے خوشحال آدمی برابر بڑھاتے رہتے تھے۔ عدالت کی حیثیت سے انھیں اپنے دائرے کے اندر دیوانی اور فوجداری کے پورے ادھیکار ہوتے تھے۔ ان پنچائتوں کی سب سے بڑی سندرتا یہ تھی کہ یہ اپنے سارے کام میں کسی راج کاج یا دوسری شکتی کے ادھین نہ تھیں۔ انھیں پوری آزادی حاصل تھی اور ان میں اتنی شکتی اور ان کے پاس اتنے وسیلے ہوتے تھے کہ وہ اپنے علاقے کی سب ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ اسی لئے باپو کے سواولمبن کی انھیں جیتی جاگتی تصویر کہا جا سکتا ہے۔

ان پنچائتوں کے کام میں کوئی راجہ یا بادشاہ کبھی دخل نہ دیتا تھا۔ اس کا کارن یہ تھا کہ ہندستان کی سبھیتا نے راجہ کے سب ادھیکاروں کو کیول راج کاج تک ہی محدود کر دیا

تھا۔ اخلاقی معاملوں میں، مذہبی معاملوں میں، سماجی، روزگاری اور تجارتی معاملوں میں راجہ نہ کوئی دخل دے سکتا تھا اور نہ ان کی روک تھام کے لئے کوئی قانون بنا سکتا تھا۔ ان ساری باتوں کا پربندھ اور ان کے اصولوں اور نیموں میں ادل بدل کرنے کا کام مذہبی اور اخلاقی سنستھاؤں کے سپرد تھا جو خاص سدھانتوں اور آدرشوں کے اندر رہتے ہوئے ان میں سدھار یا بدلاؤ کرتی رہتی تھیں۔ راجہ کا کیول اتنا کام ہوتا تھا کہ ان کاموں کے ٹھیک ٹھیک اور بے روک چلنے میں مدد دے اور ان سنستھاؤں کے بنائے ہوئے نیموں اور ان کی آگیاؤں کا آدر اور مان رکھے۔ اس لئے ان پنچائتوں کے کام کاج میں کسی راجہ کے دخل دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

آج سے دو تین سو سال پہلے پچھمی سبھیتا کے ابھار کا زمانہ آیا۔ اس سبھیتا کا راج کاجی ادھیکار دنیا میں پھیلنے لگا۔ ہوتے ہوتے اس کے قدم ہندستان تک پہنچ گئے۔ یہ پچھمی سبھیتا اپنے دیشوں کی سداچاری اور دینی دھرمی شکتیوں کو مٹا کر کیول اپنی تجارتی اور راج کاجی پیاس کو بجھانے کے لئے دنیا میں پھیلی تھی۔ اس کے نیتاؤں کو اپنے اسی مطلب کو پورا کرنے کے علاوہ اپنے آدھین دیشوں کی سانسکرتک یعنی کلچری صورتوں اور ضرورتوں سے کوئی واسطہ نہ رہتا تھا، نہ ان کے ریت رواج اور دھرم کرم کا ان ودیشیوں کے دل میں کوئی آدر ہوتا تھا۔ وارن ہیسٹنگز کے زمانے میں جو ہندستان کا پہلا انگریز گورنر جنرل تھا، اس دیش کی یہ لاکھوں پنچائتیں جان بوجھ کر

ایک قلم توڑ دی گئیں۔ وارن ہیسٹنگز نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کے نام اپنے ایک خط میں ان پنچائتوں کے بارے میں لکھا تھا ۔" انسانی تاریخ کے دور کے پہلے سے ہندستان کے ہر گاؤں میں پنچائتی راج قائم تھے۔ یہ پنچائتیں اپنے سارے راج پربندھ میں اتنی آزاد اور خود مختار تھیں کہ اس دیش کے کسی راجہ یا بادشاہ نے کبھی اتنی ہمت نہیں کی کہ ان کے کام میں کسی طرح کا دخل دے۔ لوک مت کبھی اس طرح کے دخل دینے کو برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا ..... میں نے ٹیڑھے یا سیدھے، جیسے بھی بن پڑا (بائی ہک اور بائی کرک) ان پنچائتوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا!"

انگریز اتہاس لیکھکوں نے ان پنچائتوں کو (ویلیج ریپبلکس) کہا ہے اور ان کے پربندھ کی سندرتا کی بہت بہت تعریفیں کی ہیں۔ ان اتہاس لیکھکوں کی رائے ہے کہ ہندستان کی بے مثال خوشحالی، دنیا بھر سے بڑھ کر سکھ شانتی اور امن و امان، یہاں کا دھرم پریم اور انسانیت، بلکہ اس دیش کی ساری بڑھی ہوئی کلچر انھیں پنچائتوں کی بنیادوں پر قائم تھی۔ انھیں پنچائتوں نے اس دیش کو امر بنا رکھا تھا۔ ان اتہاس لیکھکوں کی گواہی سے بڑھ کر گواہی ان پنچائتوں کی سیوے لاگ سیوا، ان کے نیتک بل اور ان کے سندر پربندھ کی نہیں ہو سکتی، کیوں کہ عام طور پر یہ اتہاس لیکھک ہندستان کی کسی بات کو بھی سراہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

ان پنچائتوں کی اس تصویر میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ پنچائتیں لوک راج یا لوک شاہی کا اچھے سے اچھا روپ ہوتے

ہوئے بھی ان ساری برائیوں سے پاک صاف تھیں جو پارلیمنٹی راج اپنے ساتھ دنیا میں لایا۔ ان پنچائتوں کی راج کاجی زندگی میں وہ ساری باتیں موجود ہیں جنھیں ہم 'ڈیموکریسی' یعنی لوک راج کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ اس لئے یہ پنچائتی راج مرکزی حکومت کے ہوتے ہوئے بھی دیش کے ۹۰ فیصدی رہنے والوں کو پوری آزادی کے ساتھ اپنا جیون بتانے کا موقعہ دیتا تھا۔ ان پنچائتوں کے جیون میں اس 'سوراج' کی کچھ چھایا سی دکھائی دیتی ہے جس کا باپو سپنا دیکھتے تھے۔ یہ بات کہ یہ پنچائتیں ہزاروں سال تک اس ملک میں قائم رہ چکی ہیں اور ابھی دو سو برس بھی انھیں مٹے ہوئے نہیں ہوئے ثابت کرتی ہیں کہ اس دیش کے مٹی پانی میں وہ ساری چیزیں موجود ہیں، جن سے اس طرح کی سنستھائیں پیدا ہوسکتی ہیں، بڑھ سکتی ہیں اور پھل پھول سکتی ہیں۔ اسی سے ان کا پھر سے زندہ ہونا بھی کوئی انوکھی یا ان ہونی بات معلوم نہیں ہوتی۔ ہماری پرانی گاؤں کی زندگی میں وہ سارا ڈھانچہ موجود ہے جو باپو اپنی سمگر گرام سیوا اور سوادلمبن کے آندولنوں سے ہندستان کے ۷ لاکھ گاؤں میں پھر سے چمکانا چاہتے تھے۔

کہا جا سکتا ہے کہ بیتی دنیا کے سپنے دیکھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اتہاس اپنے پیر پیچھے کو نہیں ہٹاتا اور جو لوگ اتہاس کے پیر پیچھے کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ پر ہمیں بھروسہ ہے کہ باپو کے سمگر سیوا اور سوادلمبن کی یوجناؤں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد آدمی کے دل میں اس طرح کی شنکا نہیں رہ سکتی۔

باپو کی یہ یوجنائیں نئے وچاروں، نئے بھاؤں اور نئے ڈھنگ کے سادھنوں سے بھری ہوئی ہیں۔ یہ دنیا کو آگے بڑھانے اور آدمی کو آدمی بنانے کی سب سے بڑی طاقت ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دنیا اپنی لاچاری، بے بسی اور کمزوری کی وجہ سے ان سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکے پرانت کو دنیا کو انھیں سے مدد لینا ہوگا، کیوں کہ انسانی ترقی اور مانو وکاس کی یہی آگے کی سیڑھی ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ جو نقشہ باپو نے اپنے نئے ودھان میں رکھا ہے وہ ہمارے گاؤں کے جیون کو اسی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے جس میں یہ پرانی پنچایتیں ڈھالی ہوئی تھیں۔ اتنا ہی نہیں وہ اس سے بہت آگے جانا چاہتا ہے۔ وہ کیول پرانی خوش حالی راج کاجی آزادی، اور سداچاری اونچائی کو ہی پھر سے لانا نہیں چاہتا، بلکہ وہ اس روگ کی بھی جڑیں کاٹ ڈالنا چاہتا ہے۔ جس کے کارن یہ سب چیزیں برباد ہوئیں۔ ان پنچایتوں میں پارلیمنٹی راج کی کوئی برائی نہیں۔ ان کی نمائندگی سچی نمائندگی ہے۔ ان کے چناؤ کے ڈھنگ میں نہ کسی کا پیسہ لٹتا ہے اور نہ کسی کا چلن گرتا ہے۔ ان کے راج کاجی جیون میں مرکزی سرکار کو دخل دینے کا کوئی ڈر نہیں رہ جاتا۔ سچ یہ ہے کہ ان میں سچے لوک راج کے سب گن موجود ہیں۔ انکی برکت سے دیش کی نوے فیصدی جنتا مرکزی سرکار کے ہوتے ہوئے بھی پوری آزادی کے ساتھ اپنا جیون بتا سکتی ہے۔ یہ سب باتیں کسی اور یوجنا میں ملنا کٹھن ہے۔

پران پنچایتوں میں یہ سب اچھائیاں ہوتے ہوئے بھی ہم انکی اس بنیادی کمزوری سے آنکھ نہیں بچا سکتے کہ اس سمے کے ایک معمولی سے حاکم نے ان کی ہزاروں سال کی بے لاگ سیوا کے بعد دم کے دم میں مٹی کے ایک گھروندے کی طرح انھیں خاک میں ملا دیا۔ اس دُکھ بھری گھٹنا سے ہمیں بہت بڑا سبق ملتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان پنچائتوں کے ساتھ ساتھ وہ چرخا جو یہاں کی لاکھوں بہنوں کے گذارے کی ذمہ داری اپنے اوپر لئے تھا، گاؤں کی وہ ساری دستکاریاں جو یہاں کے کروڑوں سیدھے سادے اور محنتی کسانوں اور کاریگروں کا جیون میں ساتھ دیتی تھیں پنچائتوں کے ساتھ ساتھ انگریزی راج کی گھاتک نیتی کا شکار ہوگئیں۔ یہ گھٹنا مانو جیون کے اُس بنیادی سوال کو ہمارے سامنے لاکر کھڑا کردیتی ہے کہ روحانی اور سدا جاری شکتیاں دنیاوی اور مادّی شکتیوں سے ٹکّر لے سکتی ہیں یا نہیں، اور اگر لے سکتی ہیں تو کیسے؟ کیا انسانی زندگی کے قائم رہنے اور اُنتی کرنے کے لئے اُس کا دُنیاوی، دھوکے فریب کی اور لامذہبی طاقتوں کی چھایا ہی میں پلنا اور بڑھنا ضروری ہے؟

باپو کے لئے یہ کوئی نیا سوال نہیں تھا۔ اُن کا جیون ثابت کرتا ہے کہ ہندستان کی پُرانی سبھیتا نے باپو کو اسی سوال کا عملی حل دنیا کے سامنے رکھنے کے لئے جنم دیا تھا۔ اسی سوال کے حل کے لئے باپو نے اپنی یوجنائیں اور اپنے نئے ہتھیار دنیا کے سامنے رکھے ہیں۔ انگریزی راج کی اُن حیوانی شکتیوں سے، جنھوں نے پُرانی پنچائتوں اور سارے دیش کو بربادی کے

ساتھ مٹایا، ہم نے باپو کی روحانی اور سداچاری شکتیوں کو ٹکراتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اپنے دیش واسیوں پر اور ساری دنیا پر ان ٹکروں کا نتیجہ بھی ہمیں معلوم ہے۔ اسی ستیاگرہ کی شکتی کو جس نے انگریزی راج کی طاقت کو ہلا دیا تھا باپو ہندستان کے گاؤں گاؤں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ باپو کے سمگر سیوا اور سواولمبن اسی شکتی کو جگانے کے طریقے ہیں۔ اس سمگر سیوا کا جو روپ باپو نے اپنے نئے ودھان میں دیا ہے اسے ہم نیچے دیتے ہیں۔—

"۵۔ ہر کام کرنے والا گاؤں کا اس طرح سنگٹھن کریگا کہ ہر گاؤں اپنی کھیتی اور دستکاریوں کے ذریعے اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہو سکے اور اپنا سارا کام خود چلا سکے۔

"۶۔ وہ گاؤں کے لوگوں کو صفائی رکھنا اور تندرست رہنا سکھائیگا اور اس میں تندرستی کے بگڑنے اور بیماری پیدا ہونے کو روکنے کے لئے پہلے سے سب ترکیبیں کرے گا۔

"۷۔ وہ ہندستانی تعلیمی سنگھ کی طے کی ہوئی نیتی کے انوسار، نئی تعلیم کے ڈھنگ پر، جنم سے لے کر موت تک گاؤں والوں کی تعلیم کا پربندھ کرے گا۔

"۸— اپنے دائرے کے اندر گاؤں کے ہر آدمی کے ساتھ وہ خود میل ملاپ رکھے گا۔"

ہم نے سمگر سیوا کی کیول مالی، تعلیمی، اور تندرستی سے سمبندھ رکھنے والی دفعاؤں کو نقل کیا ہے۔ اس کے سماجی اور راج کاجی پہلو کی چرچا ہم بعد میں کریں گے۔

اوپر کی پہلی تین دفعاؤں میں سے ہر ایک کا ایک اتہاس ہے۔

برسوں سے یہ باتیں دیش کے سامنے ہیں۔ باپو کے بڑے سے بڑے اندولنوں کے ساتھ ان کا سمبندھ رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک پر بہت سی کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ سمے سمے پر دیش کے بڑے سے بڑے نیتاؤں نے ان کے بارے میں اپنے وچار بھی پرکٹ کئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر اتنا ساہتیہ جمع ہو گیا ہے کہ اُس کی مدد سے گانوں کے جیون کے سارے پہلوؤں اور گانوں والوں میں کام کرنے کے باپو کے نئے طریقوں کی پوری پوری جان کاری حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس لئے ہم یہاں انھیں ادھک بیان کرنا نہیں چاہتے۔ ہم اُن کے اصولی پہلوؤں کی ہی چرچا کریں گے۔

اوپر کی دفعہ ۵ میں باپو نے گانوں کی کھیتی اور دستکاریوں کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی بات کہی ہے۔ یہ باپو کا سارے دیش کے لئے آرتھک پروگرام ہے۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ باپو راشٹر کے جیون میں سداچار اور راج کاج کو ایک دوسرے سے الگ نہ دیکھتے تھے۔ وہ جیون کے ہر پہلو کو اور ہر کام کو سداچار کی کسوٹی پر کستے تھے اور جیون کے ہر پہلو کی اونچی چوٹیوں تک سداچار کے اصولوں کے راستے ہی پہنچنا چاہتے تھے۔ انکی یہ بھی رائے تھی کہ جیون کے کچھ تھوڑے سے سیدھے سادے اصول ہماری سب ضرورتوں کو پورا کرنے اور ہمارے آپس کے سمبندھوں کو ٹھیک ٹھیک طے کرنے کے لئے کافی ہیں۔

ایکبار کسی ایکونومک سوسائٹی نے باپو کو اپنے یہاں ایکونومکس یعنی مالیات (ارتھ شاستر) پر اپنے وچار پرگٹ کرنے کی دعوت دی۔ اسکے لئے اس دنیا کے آجکل

کے کچھ جانکار باپو سے ملنے گئے ۔ بات چیت میں انھوں نے نئے نئے اصول اور آج کل کے ارتھ شاستر پنڈتوں کے نئے نئے نام باپو کے سامنے پیش کئے ۔ باپو چپ بیٹھے سب سنتے رہے ۔ جب اُن لوگوں نے دیکھا کہ یہ کچھ جواب ہی نہیں دے رہے ہیں تو انھوں نے یہ سیدھا سوال باپو سے کیا کہ آپ ان ارتھ شاستر پنڈتوں اور اُن کے الگ الگ اصولوں میں سے کسے ٹھیک سمجھتے ہیں ۔ باپو نے جواب دیا کہ ' بھائی میں نے تو ان سب کا کبھی نام بھی نہیں سنا ' وہ لوگ دنگ رہ گئے ۔ پوچھا کہ آخر آپ بھی کسی کتاب یا لیکھک کو اس ودّیا میں پرمان مانتے ہیں ۔ باپو نے کہا ' ضرور ' انھوں نے کہا کہ کیا ہم وہ کتاب دیکھ سکتے ہیں ۔ باپو نے کہا ' ضرور ' اور اپنا بستہ کھول کر اس میں سے بائبل نکال کر اُن کے سامنے رکھ دی ۔

سچ سچ باپو کا وچار تھا کہ حضرت موسیٰ کے اس حکم یا اُن سے بھی تھوڑے میں گِنا کے پانچ اصول جن پر دنیا کے سب دھرم مذہبوں کی مہر لگی ہوئی ہے ، جیون کے ہر پہلو اور آدمی کے ہر کام اور اُسکی ہر بات کو ٹھیک رکھنے کے لئے کافی ہیں ۔ دنیا کا ہر آدمی اُنھیں جانتا ہے ـــــ جھوٹ مت بولو ، چوری نہ کرو ، کسی کو مار دمت ، زنا نہ کرو ، سب کے ساتھ پریم اور برابری کا برتاؤ کرو ۔ یہی وہ تھوڑے سے بنیادی اصول ہیں جن پر آدمی کا سارا جیون اور دنیا کی ساری سبھیتائیں ، ساری کلچر اور سنسکرتیاں قائم ہیں ۔ ضرورت کیول اس بات کی ہے کہ آدمی کے اندر وہ نیتک شکتی پیدا کردی جائے کہ جس سے اس کا سوبھاؤ ہی ایسا بن جائے کہ وہ ان اونچے

اصولوں پر عمل کرنے کو مجبور ہو۔ یہ شکتی آج کل کی یونیورسٹیاں کالج یا اسکول پیدا نہیں کر سکتے۔ کوئی تعلیم چاہے وہ کتنی بھی اونچی سے اونچی کیوں نہ ہو جب تک دھرم، اور نیتکی پر قائم نہ ہو، آدمی میں اس طرح کا سوبھاؤ اور اس طرح کے گُن پیدا نہیں کر سکتی۔

پچھمی سبھیتا نے سداچار کی ایک بالکل نئی کسوٹی سنسار کے سامنے رکھ دی ہے۔ اس نے آدمی کی زندگی کے آرتھک پہلو کو اصلی زندگی مان کر باقی سب پہلوؤں کو اس پر قربان کر دیا ہے کو اور اپنے سوارتھ کو اس نے دنیا کا مذہب بنا لیا ہے۔ ادھکار کی مانگ ہر آدمی کا دین دھرم اور ایمان ہو گیا ہے، اور ہر جائز یا ناجائز طریقے سے اپنا مقصد پورا کرنا ہر آدمی کا نیتک آدرش ہو گیا ہے۔ پچھمی سبھیتا کی اس بھینکر غلط کاری سے ساری انسانی دنیا کی مالی اور روزگاری سطحوں کے نیچے قیامت پیدا کرنے والی آگ کی سرنگیں بچھ گئی ہیں۔ ان سے ہماری ساری زندگی ہی ایک جوالا مکھی پہاڑ بن گئی ہے۔ باپو چاہتے تھے کہ یہ آگ ہمارے گاؤں کی زندگی تک نہ پہنچ سکے، کیونکہ اگر یہاں کے چالیس کروڑ آدمیوں میں یہ آگ بھڑک اُٹھی تو دنیا کے لئے اسے بجھانا بہت کٹھن ہو جائے گا۔ باپو مانتے تھے کہ اس آگ کو بجھانے کا کیول ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم سیدھا سادگی اور سواولمبن کا راستہ پکڑیں اور سداچار کے بنیادی اصولوں سے مدد لیں۔ اس طرح ہی ہم پچھم کی آگ برسانے والی آندھیوں سے اپنے کو بچا سکتے ہیں۔

ہم نے جان بوجھ کر اپنے سماجی جیون کو ایک ایسی لگاتار کھینچا تانی اور جنگ کی شکل دیدی ہے جو ساری دنیا کو اپنے اثر میں لئے ہوئے ہے اور جس میں ہر آدمی دوسرے کا بیری ' ہر ایک اپنا اپنا مورچہ سنبھالے ہوئے ہے اور دوسرے کی طرف سے اُسے ہر دم یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ وہ دوسرا اس کے خلاف اپنا مورچہ سنبھالے ہوئے ہے ۔ دونوں ایک دوسرے سے کہتے رہتے ہیں کہ انصاف سے کام لو آپسی جنگ سے کسی کا بھلا نہیں ہوسکتا ۔ پر ایسی حالت میں سچا انصاف ہوسکنا بالکل ان ہونی بات ہے ۔ انصاف ' پریم اور انسانیت کی ہوا میں ہی پیدا ہوسکتا ہے اور اسی میں ہی پنپ سکتا ہے ۔ انصاف تبھی ہوسکتا ہے جب ہم دوسرے کی بھوک اور اس کے تنگ کا اتنا ہی خیال رکھیں جتنا اپنی بھوک اور اپنی ضرورتوں کا ۔ آجکل پچھم کی ساری راج کاجی پارٹیاں اس آدرش کو مانتی ہیں اور اسی کے آدھار پر اپنے قاعدے قانون بناتی ہیں ۔ لوک راج یہی چاہتا ہے ۔ پر ایک طرف یہ سارے قاعدے قانون ہیں جو کیول کاغذوں پر لکھے رہتے ہیں اور دوسری طرف ہماری دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مالی کھینچا تانی اور ہماری آئے دن کی راج کاجی جنگیں ہیں ۔ اس کا کارن یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو اپنے سوارتھ اور اپنی اچھاؤں کے قلعے میں بند کرلیا ہے ۔ دوسری کی اچھاؤں اور ان کی ضرورتوں سے ہم بالکل بے پرواہ ہوگئے ہیں جیسے ہمارا ان کا کبھی کوئی سمبندھ ہی نہیں رہا ۔

گیتا کہتی ہے کہ یہ راستہ تمھیں سکھ شانتی یا سلامتی کی طرف نہیں لے جا سکتا ۔ تم سب بھائی بھائی ہو ۔ ایک دوسرے کے ساتھ انصاف

ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے لئے تیاگ کا راستہ پکڑو۔ وہ کہتی ہے کہ جو کوئی کیول اپنے لئے چولھا جلاتا ہے وہ چور ہے۔ اگر ہم اس ایک اصول کے سارے پہلوؤں کو دل میں جمالیں، تو ہمیں سارے آرتھک جیون کے نئے سنگٹھن کے لئے بنیاد کا پتھر مل جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ دنیا میں ضرورت کی چیزیں کم ہیں اس لئے ہم کسی پیمانے پر بھی دولت اور طاقت میں مرکزیت پیدا کریں تو وہ ہمارے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بنے بنا نہیں رہ سکتا۔ لوگ ہمارے اس خزانے کو دیکھ کر اس میں حصہ بٹانے کے لئے بیچین ہوں گے اور ہر اُچت اور انوچت ترکیب سے اپنی اچھا کو پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ اسلئے اپنے پاس ضرورت سے زیادہ سامان رکھنا چوری اور بُرائی ہے۔ اسی نے سب راشٹروں، گروہوں اور آدمیوں کو ہتیار بند ڈاکو بنا دیا ہے۔ جب تک ہم اس گھاتک روگ کا پورا علاج نہیں کرتے ہمیں اپنے دکھوں سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔

باپو نے سابرمتی ستیاگرہ آشرم کے سب آشرم والوں کو ایک بار جمع کر کے اُن سے کہا کہ "ہمیں یہاں اتنے دن ہو چکے اب میری سمجھ میں ہم سب کو اپری گرہ کا برت لے لینا چاہئے، جس سے ہم سواولمبی ہو جاویں اور دنیا کی کسی چیز کے محتاج نہ رہیں۔" اپری گرہ کا مطلب ہے دنیا کی کسی بھی چھوٹی بڑی چیز کو اپنی ملکیت نہ ماننا۔ آشرم واسی یہ سُن کر سوچنے لگے۔ باپو نے انھیں ایک دن سوچنے کے لئے دیا۔ دوسرے دن پھر سب جمع ہوئے۔ باپو کے پوچھنے پر ان میں سے ایک بھی اپری گرہ کا برت لینے کو تیار نہ ہوا۔ باپو نے

کہا — "میں تم پر زور نہیں ڈالتا، پر میں آج سے اپری گرہ درت لیتا ہوں" اس کے کئی برس بعد باپو نے انگلینڈ کے مانچسٹر شہر میں وہاں کے مزدوروں کے سامنے ایک دیاکھیان دیا تھا جس میں انھوں نے ان سے کہا تھا — " میں اپری گرہ کا برت لے چکا ہوں پھر بھی، آپ دیکھتے ہیں میں یہ چادر اوڑھے اور لنگوٹی پہنے آپ کے سامنے کھڑا ہوں، یہ میری مجبوری ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ اگر آپ میں سے کسی کو میرے یہ کپڑے پسند آ جائیں اور وہ انھیں لے بھاگے تو میں نہ اس کی رپٹ لکھاؤں گا اور نہ اس پر دعوی کروں گا" یہ اپری گرہ کا پورا روپ ہے۔

سچ یہ ہے کہ اپری گرہ غیر مرکزیت کی آخری سیڑھی ہے۔ باپو کی ساری سمگر سیوا کی یہی جان ہے۔ یہی آدرش وہ گاؤں، شہر، ضلع اور دیش سب کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔ راشٹر کی زندگی میں بھی وہ یہی کرنا چاہتے تھے۔ کوئی دیش جب تک سہی معنوں میں اپری گرہی نہیں بنے گا اور اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کا محتاج رہے گا تب تک اسے سچے ارتھوں میں راج کاجی یا مالی آزادی مل ہی نہیں سکتی۔

باپو کے اپری گرہی ہوتے ہوئے بھی کیونسٹ جیسی کچھ پارٹیاں انھیں پونجی واد کا ایجنٹ کہتی تھیں۔ دکھ ہے کہ یہ لوگ انھیں سمجھ ہی نہ سکے۔ کیونزم یعنی سامیہ واد ہندو دھرم کے اسی اپری گرہ برت کو سماجی پیمانے پر نیک نیتی کے ساتھ عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پر دوسری راج کاجی پارٹیوں کی طرح یہ بھی اس آدرش تک جو حد درجے کا غیر مرکزی آدرش ہے، حد درجے کے مرکزی ڈھنگ سے پہنچنا چاہتا ہے۔ اس آدلیشیہ تک

پہنچنے کے لئے کمیونسٹ سارے راشٹر یا قوم کی بلکہ ساری انسانی قوم کی ایک مرکزی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ساری دنیا کی دولت اور طاقت کو ایک مرکز پر جمع کر دینا حد درجہ کا پونجی واد ہے۔ آگے چل کر ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اس ساری دولت اور طاقت کو برابر برابر سب آدمیوں میں بانٹ دیں گے۔ باپو جب زمینداروں، راجاؤں، امیروں اور حکومتوں سے کہتے ہیں کہ تم اپنی دولت کے جنتا کی طرف سے ٹرسٹی بن جاؤ تو کمیونسٹ ان پر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات انسانی سوبھاؤ کے خلاف ہے اور خود اسی انسانی سوبھاؤ پر اتنا بڑا ٹرسٹیوں کا محل بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ طاقت اور دولت کے بل پر اس طرح کا محل بنایا جا سکتا ہے۔ دنیا اسی طرح کا محل بنانے کی طرف تیزی سے دوڑی جا رہی ہے۔ پر بن جانے کے بعد بھی یہ محل برابر ٹوٹتا اور پھر سے بنتا رہے گا۔ اس میں مضبوطی اور ٹکاؤ پن اسی پیمانے پر پیدا ہوگا جس پیمانے پر وہ حکومت اپری گرہ کے درت اور سواو لمبن کے اصول کو جنتا کے جیون کا عملی اور سچا حصہ بنا سکے گی۔ باپو کا یہ نیا ودھان سیکڑوں برس کی خونی کھینچا تانی اور بربادی سے سماج کو بچا لے جانے کا سب سے سستا اور سیدھا راستہ ہے۔ باپو کا سندیش ہے کہ اس نئی دنیا کی تعمیر جس کی جان لوک راج اور انسانی بھائی چارہ ہے، زمین سے شروع کرو، اس کی بنیادیں ایک ایک گاؤں کے اندر ایک ایک آدمی کے سداچار کو

ٹھیک کرنے اور اونچ سے اونچے لے جانے پر قائم کرو۔ باپو کا کہنا ہے کہ جب تک تم اس محل کو نیچے سے مضبوط بنیادوں پر نہیں اُٹھاؤ گے یہ برابر تم پر گر گر کر تمھیں کچلتا اور برباد کرتا رہے گا۔

باپو نے اس ددھان کی دفعہ ۷ میں اس محل کی گہری سے گہری بنیادیں ڈالنے کی داغ بیل رکھی ہے۔ جس طرح سمگر سیوا اور سواولمبن دنیا کی نئی تعمیر کی سچی بنیادیں ہیں اسی طرح باپو کی نئی تعلیم، سمگر سیوا اور سواولمبن کی بنیاد ہے۔ جب تک ہم سمگر سیوا کے طریقے اور پروگرام اور سواولمبن کے اصول اپنے بچّوں کو انکی گھُٹی کے ساتھ نہیں پلاتے تب تک دنیا کی کوئی بھی نئی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ دنیا نے ماں اور بچے کی سچی تعلیم کی طرف ابھی تک بہت کم دھیان دیا ہے اور اُس کے ٹھیک ٹھیک مہتو کو بھی نہیں سمجھی ہے۔ اُسی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا اتنے ادھک سیلے اتنا ادھک سامان اور اتنے اونچے آدرش رکھتے ہوئے بھی اتنی دکھی اور برباد ہے۔ ایک طرف تو دنیا کا آدرش اس سمے لوک راج اور انسانی بھائی چارہ ہے اور دوسری طرف دنیا بھر کے سب اسکول اور کالجوں میں وہ فوجی تعلیم دی جاتی ہے جو ایک دوسرے کی مارکاٹ، لوٹ پاٹ اور ہر طرح کی اخلاقی بُرائیوں کی جڑ ہے۔ دنیا بھر کے بچّوں کو اسی مارکاٹ کی اور جیون کے ہر پہلو میں ایک دوسرے کے ساتھ بُری سے بُری لاگ ڈانٹ اور کھینچا تانی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جب تک یہ ساری یونیورسٹیاں اسکول اور کالج توڑ کر ختم نہیں کئے جاتے اور ان کی جگہ نئی

تعلیم اور نئی تربیت کا پربندھ نہیں ہوتا تب تک دنیا اپنا آجکل کا رنگ ڈھنگ نہیں بدل سکتی اور نہ سچا لوک راج یا بھائی چارہ قائم کر سکتی ہے۔

باپو نے تعلیم کی بنیاد سوا ولمبن پر رکھ کر اس اتھاہ دھن، سمے، اور شکتی کو بربادی سے بچانے کا پروگرام دنیا کے سامنے رکھا ہے جیسے آجکل کے ہمارے اسکول، کالج، اسپتال اور راج کے سارے محکمے اس بیدردی کے ساتھ برباد کر رہے ہیں۔ بچوں کو کیول دماغی تعلیم دینا اور ساہتیہ بڑھانا جب تک کہ اُن کی بنیاد انسانیت اور سدا چار پر قائم نہ ہو، انھیں ان پڑھ رکھنے سے زیادہ بُرا اور خطرناک ہے۔ ودّیا اور بُدّھی دونوں زبردست شکتیاں ہیں۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح شریر کا بل ایک شکتی ہے۔ ہر شکتی کا ٹھیک اور غلط دونوں طرح کا استعمال ہو سکتا ہے۔ ودّیا اور بدّھی کی شکتی اگر کسی کے ہاتھ میں دے دی جاوے اور اُسکے سدا چار کو ٹھیک کر کے ان شکتیوں کے ٹھیک ٹھیک استعمال کا ڈھنگ اُسے نہ بتایا جاوے تو اس میں لگ بھگ ویسا ہی خطرہ ہے جیسا باپو کو ستیاگرہ کا ہتیار ہندستان کے ہاتھ میں دے کر بنا اس کا ٹھیک ٹھیک استعمال سکھائے چَوری چَورا کے سمے تجربہ ہوا تھا۔ یہ عملی تعلیم اگر ادھوری بھی رہ جائے تب بھی اس سے وہی غلط نتیجے پیدا ہوں گے جو ستیاگرہ کے غلط استعمال سے ہندستان میں ہوئے۔ جس طرح باپو نے ستیاگرہ کے ٹھیک استعمال کے لئے رچناتمک پروگرام تیار کیا تھا اسی طرح سمگر سیوا اور سوا ولمبن کے ٹھیک استعمال اور ان کی کامیابی کے لئے نئی

تعلیم ضروری ہے۔ اس نئی تعلیم کو باپو نے پورا پورا اپنے نئے ودھان میں شامل کر لیا ہے۔

ہماری آج کل کی تعلیم کے بُرے نتیجوں کا سب سے اچھا ثبوت اس تعلیم کے بڑے سے بڑے پنڈتوں اور جانکاروں کے عملی کارنامے ہیں۔ جو بڑی بڑی جنگیں آئے دن دنیا میں ہو رہی ہیں اور جن کے لیئے دُنیا اب بھی اتنے جوش کے ساتھ تیاری کرتی رہتی ہے اُن کا ہو سکنا بِنا آج کل کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بڑے بڑے پنڈتوں اور سائنسدانوں کی دلی مدد کے ناممکن تھا۔ پرائمری اسکولوں سے لے کر بڑی سے بڑی یونیورسٹیوں تک سب میں فوجی تعلیم کے چرچے ہیں۔ اسی ہوا میں نئے لوک راج کی رچنا کی امیدیں کی جا رہی ہیں۔ اِس سے بڑھ کر بدنصیبی دنیا کی جنتا کے لیئے اور کیا ہو سکتی ہے۔

باپو نے اسی خطرے کو مٹانے کے لیئے اپنی نئی تعلیم کا اندولن شروع کیا ہے۔ بچّوں کے اسکولوں کو اس طرح کا رُوپ دینا کہ بچّوں کی بُنیادی ضرورتیں سب وہیں پر انھیں کے ہاتھوں پوری ہو سکیں اور بچّوں میں اپنی تعلیم کا بوجھ دوسروں پر نہ ڈال کر سب خرچ خود نکالنا اور ان میں شروع ہی سے یہ وچار پیدا کرنا کہ ہم خود اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح سے اُن کے دل سے اونچ نیچ، امیر غریب، نوکر مالک کے وہ سب بھید بھاؤ نکال دینا جو لوک راج اور انسانی بھائی چارے کے لیئے سب سے بڑے کلنک ہیں۔ یہی باپو کی نئی تعلیم کا اصلی مقصد اور اُس کا اصلی رُوپ ہے۔ جب تک بچّہ اس طرح کے وچاروں کو ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا نہیں ہوتا، اور جب تک جیون کے ہر پہلو میں

کسی نہ کسی روپ میں اُسے اُنھیں چیزوں کی تعلیم نہیں دی جاتی تب تک دُنیا کی آج کل کی ہوا نہیں بدل سکتی۔

باپو کی نئی تعلیم کو ہمارے پڑھے لکھے لوگ کچھ انوکھے ڈھنگ سے دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں بچوں کی تعلیم خرچ کی نگاہ سے خود اپنے پیروں پر کھڑی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ بچوں میں اِس وچار کا پیدا کرنا اور اسے سامنے رکھ کر تعلیم کا دیا جانا ہی اس مقصد کو حاصل کر لینا ہے۔ اور تعلیم کا جتنا خرچ بھی اس طرح سے نکل آوے وہ بیاج کی طرح ہے۔ اس طرح کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے آدمی کا ایمانداری اور لگن کے ساتھ چپٹ جانا ایسے ایسے نتیجے پیدا کر دیتا ہے جن کی دنیا کو کبھی امید نہ ہوتی تھی۔ کسی اونچے مقصد کو، اگر وہ مقصد ٹھیک ہے تو، کوشش سے ہٹ جانا کمزوری اور کم ہمتی ہے۔

باپو نے اپنے ودھان میں نئی تعلیم سے پہلی ہی دفعہ میں تندرستی اور صفائی کی چرچا کی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ باپو قدرتی علاج میں وشواس رکھتے تھے۔ دواؤں میں اُنھیں بالکل وشواس نہ تھا۔ صفائی کے معاملے میں وہ کہتے تھے کہ ہر آدمی کو اپنی ہر طرح کی صفائی خود کرنی چاہیئے۔ اس میں کسی دوسرے کا محتاج ہونا اُس دوسرے پر ظلم کرنا ہے اور نیکی اور بھائی چارے کے اُصولوں کے خلاف ہے۔ بیماروں، بچوں اور کمزوروں کی بات الگ ہے ہم یہاں اِن پہلوؤں کی ادھک دیاکھیا نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں ہم اتنا کہہ دینا چاہتے ہیں کہ قدرتی علاج اور صفائی دونوں طریقے باپو کے سوادلمبن کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔

جہاں تک اس ودھان کے سماجی پہلو کا سوال ہے باپو نے اس کے لئے کوئی الگ دفعہ نہیں رکھی۔ اور پہلوؤں میں تو بہت سی باہر کی چیزوں کے جاننے کی ضرورت ہوتی بھی ہے پر سماجی جیون کو تو اونچے سے اونچے لے جانے کے لئے سوائے ان پانچ اصولوں کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے — چوری نہ کرو، کسی کو مارو مت، زنا نہ کرو، سچ بولو اور ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا برتاؤ کرو، اس کے لئے اور کسی نئی جانکاری یا نئی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری سماجی زندگی کی سب سے بڑی کٹھنائی یہ ہے کہ ان اصولوں کو جانتے ہوئے بھی ہم ان کے عمل سے بچتے اور بھاگتے رہتے ہیں۔ اس لئے باپو نے انھیں اپنے ودھان کی کسی دفعہ میں شامل نہ کرکے انھیں سیوکوں یا کام کرنے والوں کے عملی جیون میں جگہ دی ہے۔

ودھان میں کام کرنے والوں کے لئے جو باتیں ضروری بتائی گئی ہیں انھیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ باپو اُن سب دیواروں اور رکاوٹوں کو مٹا کر جو ایک آدمی کو دوسرے آدمی سے اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے الگ کرتی ہیں ساری انسانی دنیا کو ایک کٹمب میں ڈھال دینا چاہتے ہیں۔ یہی باپو کا سماجی پروگرام ہے۔ ہندو دھرم کا اصول ہے۔ "وسودھیو کٹمبکم" یعنی ساری دنیا ایک چھوٹا سا کٹمب ہے۔ قرآن میں لکھا ہے کہ "سب مخلوق یعنی پرانی ماتر اللہ کا کنبہ ہے اور ان میں اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اللہ کے اس کنبے کی سیوا کرتا ہے۔ محمدؐ صاحب اپنی نمازوں میں روز دُہرایا کرتے تھے " میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا کے سب آدمی آپس میں بھائی بھائی ہیں"

حضرت عیسیٰ ، بدھ ، زرتشت اور سب دھرموں کے چلانے والوں نے سب منشیوں کو ایک انسانی بھائی چارے کے سانچے میں ڈھال دینا اپنے مذہب اور اپنے مشن کا اصلی مقصد بتایا ہے ۔ انھیں اُپدیشوں کا نتیجہ ہے کہ پورب میں اور پچھم میں سب جیوت راج کاجی پارٹیاں اس بھائی چارے اور انسانی برابری کو کم سے کم اپنے دائرے میں نیک نیتی کے ساتھ عملی رُوپ دینا چاہتی ہیں ۔ یہی اُن سب کا دعویٰ بھی ہے ۔ لوک راج اسی وچار کا راج کاجی رُوپ ہے ۔ سماج واد یا سوشلزم اسی کا سماجی رُوپ ہے ۔ سامیہ واد یا کمیونزم اسی کا آرتھک رُوپ ہے ۔ یہ سب بڑے سے بڑے پیمانے یا اسی انسانی بھائی چارے کو قائم کرنے کی کوششیں ہیں ۔

پر اس سچے بھائی چارے کے قائم ہونے کے راستے میں دو زبردست کٹھنائیاں ہیں جن پر ہم ابھی تک قابو نہیں پا رہے ہیں ۔ پہلی کٹھنائی تو یہ ہے کہ آج کل کی انسانی دنیا کے مذہبی ، سماجی ، مالی اور روزگاری سانچے بن جانے اور ان میں انسانی دنیا کے ڈھل جانے کے لاکھوں سال بعد آدمی نے پوری طرح مانو پریم اور انسانی بھائی چارے کی طاقت اور ضرورت کو سمجھ پایا ۔ انسانی سماج کے یہ سانچے لوہے کے سانچوں سے بھی زیادہ کڑے ہیں انھیں بدلنا یا توڑنا آسان کام نہیں ہے ۔ پر ہمیں یہ کام کرنا ہی ہے ۔ دوسری اس سے بھی بڑی کٹھنائی یہ ہے کہ عام طور پر دنیا کے وہ مذہبی اندولن جو انسانی بھائی چارا قائم کرنا چاہتے ہیں اور خاص طور پر وہ راج کاجی اندولن جنکی ہم اوپر چرچا کر آئے ہیں اس مانو اندولن یعنی اس انسانی تحریک کو تلوار اور ہنسا کے بل پر

کامیاب کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ یہ نہیں دیکھ پاتے کہ آدمی ایک جاندار چیز ہے، اُس کے دل بھی ہے ۔ اُسے دُنیا کے ہون وَستے ہیں توپوں اور ایٹم بموں سے کوٹ پیس کر انسانی بھائی چارے کے سانچے میں نہیں ڈھالا جا سکتا ۔ یہ غلط طریقے آپس کی نفرتوں، غصّوں اور ضدّاضدی کی آگوں کو اور بھی بھڑکا دیتے ہیں ۔ جہاں تک اس کٹھنائی کا سوال ہے وہاں تک باپو نے جس پیمانے پر آدمی کی اس غلط چال کا مقابلہ کیا ہے اتنا شاید کسی دوسرے آدمی نے نہیں کیا ۔

ہم جن آدرشوں کو ٹھیک مانتے ہیں ان پر عمل نہیں کرتے نہ ان کو اپنی زندگی میں کوئی جگہ دیتے ہیں ۔ باپو نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنے ودھان میں کیول ایسے سیوکوں کو ہی ذمہ داری سپرد کی ہے جو اپنے اُصولوں پر پوری طرح عمل کرتے ہوں ۔ ودھان کے اُس حصّے کو جس میں سیوکوں کے گُن بتائے گئے ہیں ہم نیچے دیتے ہیں :-

" ہر کام کرنے والے کو اپنے ہاتھ کے کتے سوت کی یا آل انڈیا چرخہ سنگھ کی تصدیق کی ہوئی کھادی پہننے کی عادت ہونی ضروری ہے ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شراب و سب نشے کی چیزوں سے پرہیز کرتا ہو ۔ اگر وہ ہندو ہے تو یہ ضروری ہے کہ اس نے اپنے نجی جیون میں اور اپنے کٹمب کے جیون میں، ہر شکل صورت میں چھوا چھوت کو بالکل چھوڑ دیا ہو اور وہ سامپردائک ایکتا کے آدرش میں وشواس رکھتا ہو، اور سب دھرم مذہبوں کے لئے اس کے دل میں برابر کا آدر اور مان ہو اور نسل، دھرم یا مرد عورت کے فرق کا خیال نہ کرتے ہوئے سب کو برابر کے موقعے دیئے جانے اور سب کا برابر کا درجہ ماننے

جانے میں اُسے وشواس ہو۔"

باپو نے اتنے ہی کو کافی نہیں سمجھا کہ اِن سیوکوں میں خود ہی یہ گُن ہوں۔ اُنھوں نے سیوکوں کے کٹمبوں تک میں ان گُنوں کو ضروری مانا ہے۔ جب تک آدمی سُدھار کی کوششوں میں اپنے کٹمب والوں اور اپنے پڑوسیوں کے سُدھار پر زور نہیں دیتا تب تک وہ دنیا کے سدھار کی طرف اتنی کامیابی کے ساتھ نہیں لگ سکتا۔ کانگریس کا سارا سدھار آندولن اسی سچّائی کی زندہ مثال ہے۔ سو کانگریس والوں میں شاید تیس خود کھادی پہنتے ہیں۔ ان تیس میں بھی شاید پچانبے فی صدی اپنے بی بی بچّوں کو کھادی پہنانا ضروری نہیں سمجھتے۔ ہم مل کے کپڑے بیچنے والوں کی پکیٹنگ کرتے تھے اور انھیں ہزاروں اور لاکھوں کا نقصان پہنچاتے تھے پر ہم نے کبھی اپنے گھر اور محلّے والوں کے کھادی پہننے پر زور نہیں دیا، نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے سارے سُدھار آندولن بیجان ہو گئے۔ باپو نے اپنے اس ودھان میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ہم انسانی بھائی چارے کو سچ مچ جیتا جاگتا رُوپ دینا چاہتے ہیں تو ہمیں یہی راستہ پکڑنا ہوگا۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ جہاں تک کھیتی، دستکاری اور قدرتی علاج کے پروگراموں کا سوال ہے ہم یہاں ان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ کیوں کہ ان سب باتوں پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور موجود ہیں۔ اس لئے اس ودھان کے جہاں تک عمل کا سوال ہے وہاں تک اس میں کوئی خاص کٹھنائی ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔ سمگر سیوا کے اس پہلو کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں پر اس تعمیر کو

سوادلبی بنانے کے راستے میں بہت سی باہری اور راج کاجی کٹھنائیاں ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہماری پُرانی گاؤں پنچائتیں اپنے جیون کے ہر پہلو میں سوادلبی تھیں اور اب دنیا بدل گئی ہے اور ان پنچائتوں کو پوری آزادی ملنا آج بہت کٹھن ہے اس کٹھنائی کو دور کرنے کے باپو نے جو جو طریقے اِس ودھان میں بنائے ہیں انھیں ہم اگلے حصے میں دیں گے۔

سواولمبن اوراسہ یوگ

پچھلے حصے میں ہم نے سمگر سیوا کا تعمیری پہلو دکھانے کی کوشش کی تھی۔ اس حصے میں ہم سمگر سیوا کے دوسرے پہلو اور سواولمبن کو بیان کریں گے۔

سواولمبن یعنی اپنے پیروں پر خود کھڑے ہونا باپو کی ساری تعلیم میں سب سے بنیادی چیز ہے۔ باپو نئی تعلیم تک کو سواولمبن پر چلانا چاہتے ہیں جو دنیا کے لئے ایک نئی بات ہے۔ جب ہم آدمی کی ساری زندگی کو سوادلبی بنانا چاہتے ہیں تو بچے کے پیدا ہونے سے آخری دم تک اس اصول کو اگر عملی روپ دینے کی کوشش نہ کی گئی تو جیسا ہم کہہ چکے ہیں، مانو جیون میں کوئی اصلی انقلاب نہیں ہو سکتا۔

ساری دنیا، مذہب اور راج کاج دونوں میں، تیزی کے ساتھ انسانی بھائی چارے کی طرف بڑھنا چاہتی ہے۔ پھر بھی اُسے

کامیابی نہیں مل رہی ہے۔ باپو کہتے ہیں کہ اس کارن یہ ہے کہ لوگوں کے آپسی سمبندھ اور ناتے عام طور سے اپنا بوجھ دوسرے پر ڈالنے اور دوسرے کا بوجھ خود نہ اٹھانے کی بنیاد پر بنے ہوئے ہیں۔ یہ انیائے ہے۔ اگر یہ انیائے ہمارے سماج سے دور ہو جائے اور ہر آدمی اپنا بوجھ خود اٹھانا اپنا دھرم سمجھنے لگے اور اس کا عادی ہو جائے تو دنیا کو سچے لوک راج اور بھائی چارے کی طرف بڑھنے میں بہت آسانی ہو۔

ہم کچھ مثالیں دیتے ہیں۔ مالک مزدور، زمیندار کسان، حاکم محکوم، قلی مسافر، بھنگی ججمان جیسے سب سمبندھ ایسے ہیں جن میں ایک گروہ کا بوجھ دوسرے کے لئے اٹھانا اس کا فرض اور پیشہ بنا دیا گیا ہے۔ دوسرے کی مدد کرنا اور اس کا ہر طرح کا بوجھ اٹھانا بھی آدمی کا سب سے اونچا سدا چار ہے۔ یہ بات نیکی میں شامل ہے۔ اسے ہم جتنا برتیں اتنا ہی ہمارا سب کا بھلا ہے۔ پر یہ سیوا پریم اور تیاگ کی نیو پر ہونی چاہئے، کسی رواج یا قانون کے بل نہیں۔ یہ سیوا ویسی ہی ہونی چاہئے جیسے بچے کی سیوا ماں باپ کرتے ہیں یا دو بھائی ایک دوسرے کی سیوا کرتے ہیں۔ ایسی کسی سیوا میں کوئی پہلو انیائے یا زبردستی کا نہیں ہونا چاہیے۔ لوک راج کے اس دور میں حاکم محکوم، مالک مزدور، اونچ نیچ، چھوت اچھوت کے بھید نہیں چل سکتے۔ جتنی جلدی یہ بھید بھاؤ دور ہو سکیں اتنی ہی جلدی سچی لوک شاہی اور بھائی چارے کا راج قائم ہوگا۔

سوادلمبن کا پورا روپ یہ ہے کہ ہم اپنا سارا بوجھ خود

اُٹھانا اپنا دھرم سمجھیں اور کوئی دوسرا اپنا بوجھ زبردستی ہم پر نہ لاد سکے۔ سوا دلمبن میں یہ دونوں پہلو ضروری ہیں۔ باپو نے اپنے ودھان میں یہ دونوں پہلو شامل کئے ہیں۔ اس ودھان کی پنچائتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو اپنے نجی اور سماجی جیون کی سب ضرورتوں کو پورا کرنے میں خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سکھا دیں اور ان میں وہ شکتی پیدا کریں کہ ان کے اصلی بھلے یا سدا چار کے اصولوں کے خلاف کسی پرانی بات کے جاری رکھنے یا نئی بات کے جاری کرنے پر کوئی بھی انھیں مجبور نہ کر سکے۔ باپو کے سوادلمبن کا یہ روپ جیون کے نیتک، سماجی اور آرتھک پہلوؤں کے لئے ویسا ہی ضروری ہے جیسا راج کاجی پہلو کے لئے آزادی۔

باپو دیش کے ہر گاؤں میں یہی سچی آزادی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اِس آزادی کو حاصل کرنے کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ ہر گاؤں میں گاؤں کے اس سمے کے سادھنوں کے انوسار اپنی کھیتی، دستکاریاں، تعلیم، تندرستی سب کا پربندھ ٹھیک ٹھیک اور اُن طریقوں سے کیا جاوے جو باپو نے بتائے ہیں۔ دوسری یہ کہ ہر گاؤں میں اس طرح کے سادھن پیدا کئے جاویں جو گاؤں کی بھلائی اور ترقی کے لئے ضروری ہیں، تیسری یہ کہ گاؤں کو ان سب باتوں سے پاک صاف کیا جاوے جو گاؤں کی آزادی یا ترقی میں رُکاوٹ ہوں۔ ان میں پہلی بات کی چرچا ہم پچھلے حصے میں

کر چکے ہیں۔ باقی دونوں باتیں ہم یہاں دیتے ہیں۔
ہم کہہ چکے ہیں کہ ہمیں دیش کے نئے جیون کی رچنا میں پرانی پنچائتوں کو سامنے رکھنے سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ ان گاؤں پنچائتوں کو سواولمبی بنانے کے لئے آج کل جن جن باتوں کی کمی اور ضرورت ہے وہ یہ ہیں—

(۱) جو معافیاں گاؤں کی تعلیم، تندرستی اور رکشا کے لئے انھیں پہلے ملی ہوئی تھیں اور جن سے ان کا سب خرچ چلتا تھا انھیں پھر سے دلانا۔

(۲) گاؤں کے گوروں کے لئے چراگاہوں کا اور دوسرا ٹھیک ٹھیک پربندھ کرنا۔

(۳) بچوں کی نئی تعلیم کے لئے مکان، سامان اور پڑھانے والے مقرر کرنا اور تیار کرنا۔

(۴) پینے اور سینچنے کے پانی کے لئے اچھے کنویں اور تالاب بنوانا۔

(۵) گاؤں والوں کو اپنے اپنے کھیتوں کے سینچنے اور جوتنے کی آسانی کی نگاہ سے ادل بدل کرنے یا نئے سرے سے حدبندی کرنے کی پوری آزادی دینا۔

(۶) انھیں اپنے سارے جھگڑوں اور معاملوں کا خود فیصلہ کر لینے کی آزادی دینا۔

(۷) انھیں گاؤں کی رکشا اور سداچار کو ٹھیک رکھنے کے پربندھ میں پوری آزادی دینا۔

(۸) جو لوگ گاؤں کے اندر سداچار کے بنیادی نیموں

کو (جیسے سچ بولنا بے ایمانی نہ کرنا) توڑتے ہیں ان کو روکنا اور سدھارنا۔
(۹) مقامی ضرورتوں کے لئے جو کچھ کرنا ہو کر سکنا۔
باپو کی بتائی شرطوں کا یہی آزادی کا اعلان ہے، یہی ان کا میگنا چارٹا ہے۔ ہم یہاں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ ظاہر ہے کہ گاؤں گاؤں اور حلقے حلقے کی الگ الگ ضرورتیں ہوں گی اور ہر گاؤں کے مردوں عورتوں اور بچوں کی گنتی کو سامنے رکھکر الگ الگ پیشے تیار کرنے ہوں گے اور کبھی کبھی الگ الگ جگہوں کے لئے کام کے الگ الگ ڈھنگ بھی نکالنے اور برتنے ہوں گے۔
اب ہم یہاں سوادلمبن کی تیسری بات لیتے ہیں۔ یعنی گاؤں کو ان سب باتوں سے پاک صاف کرنا جو گاؤں کی آزادی اور بھلائی میں رکاوٹ ہوں۔ یہی سوادلمبن کا سب سے نازک پہلو ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں بنانا اور بگاڑنا۔ گڑھنا اور توڑنا دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خاص کر جب کہ ہمیں نئی رچنا سدھار کے روپ میں کرنی پڑتی ہے، اگر ہمارا جیون چاروں طرف سے ہمیں بگاڑنے والی شکتیوں سے گھر گیا ہے تو سدھار کی رچناتمک کوششوں سے پہلے یا ان کے ساتھ ساتھ ہمیں ان بگاڑنے والی شکتیوں کو ہٹانا اور صاف کرنا پڑے گا۔ بدنصیبی سے ہمارے گاؤں کا آج کل کا جیون اس طرح کی بگاڑنے والی شکتیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہمارے گاؤں میں کئی سنگٹھن ایسے ہیں جو اوپر سے دیکھنے میں رچناتمک معلوم ہوتے ہیں پر جو ان کی بگاڑنے والی شکتیوں کو قائم رکھتے ہیں اور بڑھاتے

رہتے ہیں۔ اس طرح کے سنگٹھن انگریزی راج نے ہمارے پھلنے پھولنے کیلئے نہیں اپنے راج کاجی سوارتھ کو پورا کرنے کے لئے پیدا کئے تھے پرانی سبھیتا میں دھرم کے چار چرن تھے۔ انگریزی راج نے ادھرم کے چار چرن قائم کئے۔ یہ چار پولیس راج، عدالت راج، پٹواری راج اور ادھیکاری راج ہیں۔ ادھرم کے ان چاروں چرنوں نے جو نقصان گاؤں کے جیون کو پہنچایا ہے اس پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ گاؤں کے سداچار کو اور گاؤں کے مالی جیون دونوں کو اُنھوں نے ملیا میٹ کر ڈالا۔

باپو انھیں چار چرنوں کے آدھار پر انگریزی راج کو زوال راج یا شیطانی راج کہا کرتے تھے۔ خود کانگریس بھی پچھلے تیس سال تک ان چاروں کے ذریعے ہندستان کی بربادی کی دردبھری کہانی دنیا کو سُناتی رہی۔ لوگوں کو آشا تھی کہ انگریز یہاں سے جاتے سمے اپنے ان چاروں چرنوں کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ پر وہ انھیں ورثے میں کانگریس کو دے گئے اور آج کانگریس خود ان چاروں راجوں کی مہاراجہ بنی ہوئی ہے۔

ہمارے گاؤں کی بدقسمتی یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ ہماری مرکزی اور صوبائی حکومتیں گاؤں کی کھیتی کو طرح طرح کی بڑی مشینوں اور بجلی گھروں کے سپرد کرنے اور گاؤں کے لوگوں کو فوجی تعلیم دے کر اور ہتھیار بند کرکے گاؤں میں فوجی راج اور مشین راج جما دینے پر بھی تلی ہوئی ہیں۔ ہماری بھومی پر آج کل ان چھ پریت راجوں کا چکر چل رہا ہے۔ ایک طرف لوک راج کا زمانہ اور دوسری طرف یہ پریت راج کے دورے، یہ دونوں

ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اگر ہمیں گاؤں کو زندہ رکھنا ہے اور انھیں پھلنے پھولنے کا موقع دینا ہے تو ہمیں پچھمی سبھیتا کے ان پریت راجوں کو اپنے گاؤں سے بھگانا ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ گاؤں میں ان گھاتک شکتیوں کا راج ہوتے ہوئے کوئی سچی رچنا یا بھلائی کا کام کیسے ہو سکتا ہے۔ باپو نے اپنے ددھان میں ان ورودھی شکتیوں سے لڑنے کی پوری داغ بیل ڈالی ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ رچنا تمک کام اور ستیا گرہ ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ رچنا کرنا اور ورودھی شکتیوں سے، اگر وہ رکاوٹ ڈالیں، ٹکر لینا دونوں ساتھ ساتھ ضروری ہیں۔ باپو کے سوا دلمبن میں ستیا گرہ شامل ہے۔ گاؤں اپنی سچی آزادی فوجوں، توپوں اور گولوں کے بل حاصل نہیں کرسکتا۔ پر اگر گاؤں والوں میں آتم بل اور ستیا گرہ کی شکتی ہے تو دنیا کی توپیں اور بم اس کی آزادی کو نہیں چھین سکتے۔ گاؤں میں تو ہزار پانچ سو آدمی ہوتے ہیں۔ پر ستیا گرہ کی مدد سے تو ایک آدمی بھی اکیلا اپنی آزادی قائم رکھ سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے؟ باپو نے خود ہمیں اپنی تعلیم تربیت اور اپنے جیون سے یہی خاص سبق سکھایا ہے۔ ہر ورودھی شکتی کے پاس کسی کو قابو میں لانے اور اپنی مرضی پر چلانے کے لئے تین ہتھیار ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں تین طرح کے نقصانوں کا ڈر دکھاتی ہے ـــــ ایک تن کا نقصان جیسے مار پیٹ یا چوٹ پہنچانا یا جیل، دوسرا مال کا نقصان جیسے جرمانہ ضبطی، لوٹ اور تیسرا جان کا نقصان۔ انھیں نقصانوں کا ڈر ہمیں غلام بناتا اور غلام رکھتا ہے۔ اگر ہم ان نقصانوں

سے نہ ڈریں تو کوئی ہمیں غلام نہیں بنا سکتا اور نہ کوئی زبردستی ہمیں اپنی مرضی پر چلا سکتا ہے۔ انھیں تین ڈروں سے آزاد ہو جانا اور دوسروں کے بھلے کے لیے ان نقصانوں کو خوشی سے سہہ لینا سچا تیاگ ہے۔ جس پیمانے پر ہم انھیں سہنے کو تیار ہو جاتے ہیں اتنا ہی اونچا ہمارا تیاگ ہوتا ہے۔ اس دنیا میں جو اس طرح کے تیاگ کے لیے تیار نہیں ہوتا اس کا دکھوں میں پھنسے رہنا اور غلام بنے رہنا قدرتی ہے۔ اور جو جس درجے تک اس تیاگ کی شکتی اپنے میں پیدا کر لیتا ہے اُس کے جیون سے اسی درجے تک اپنیاؤں اور دکھوں کا مٹ جانا ضروری ہے۔ سچ پوچھئے تو اس تیاگ کی شکتی کا نام ہی ستیاگرہ ہے۔

یہ ستیاگرہ کی شکتی اگر تلوار کی شکتی کی طرح کچھ آدمیوں میں بھی پیدا ہو جاوے تو وہ اپنا مقصد حاصل کر سکتی ہے۔ بڑے سے بڑے شہروں کو جن میں لاکھوں آدمی رہتے ہیں ڈرا کر قابو میں رکھنے کے لیے کچھ ہزار فوجی ہی کافی ہوتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کے دلوں سے ڈر کو نکال دینے کے لیے تھوڑے سے ہی سچے ستیاگرہی سارے سنسار پر اپنا اثر ڈال سکتا ہے۔ باپو نے انگریزی راج سے ٹکر لی۔ ان کے اثر سے چھوٹے بڑے اور بھی ستیاگرہی دیش میں پیدا ہو گئے۔ باپو کے آندولنوں میں جن لوگوں نے کھلے حصہ لیا ان کی گنتی کبھی پچاس ہزار یا ایک لاکھ سے ادھک نہیں ہوئی۔ پر اُن کا اثر چالیس کروڑ آدمیوں پر ایسا اور اتنا پڑا کہ انگریزی راج کے پیر اکھڑ گئے۔ اس لیے اگر کسی گاؤں میں کچھ ہی ستیاگرہی پیدا ہو جائیں تو وہ گاؤں کے

گاؤں کو ودودھی شکتیوں کے ڈر سے آزاد کرکے ان میں وہ تیاگ پیدا کر دیں گے کہ جس کے سامنے تلوار اور انیائے اپنے دانت پیس کر رہ جائیں گے، یا سر جھکا دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔

باپو نے اپنے ودھان میں سوادلمبن کے اندر ستیاگرہ کو شامل کر لیا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ رچناتمک کام بنا ستیاگرہ کی شکتی کے ادھورا ہے اور ستیاگرہ کی شکتی رچناتمک کام سے بڑھتی ہے۔ اگر ہمیں اپنے گاؤں کو پولیس راج سے آزاد کرنا ہے تو اس کا رچناتمک ڈھنگ یہ نہیں ہے کہ ہم تھانوں اور عدالتوں کے سرکاری نوکروں سے ڈرا دھمکا کر یا پھسلا کر استعفیٰ لے لیں۔ اس طرح کی باتیں ہماری کٹھنائیوں کو بہت بڑھا دیں گی اور آخیر میں ہمیں ہار کھانی پڑے گی۔ کارن یہ ہے کہ آج کل کی پولس اور عدالتیں ہماری کچھ ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں اور ہم ان سے چھوٹی موٹی مدد لینے کے محتاج ہو گئے ہیں۔ محتاجی ہی سچ مچ ساری غلامی کی جڑ ہے اور اسی پیمانے پر سوادلمبن غلامی سے آزاد کرنے کا ذریعہ ہے۔ کیوں کہ یہ محتاجی کو مٹاتا ہے۔ پھر اگر ہم پولس راج اور عدالت راج کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا سیدھا طریقہ یہ ہے کہ جو کام ہم پولس اور عدالتوں سے لیتے ہیں اُسے پورا کرنے کے لئے ہم آپ اپنا سنگٹھن اور پربندھ کر لیں۔ اگر ہم اپنے آپس کے معاملوں اور جھگڑوں کو خود طے کرنے کا پربندھ کر لیں اور پولس کی مدد کے بنا اپنے علاقوں میں امن بنائے رکھنے کی صورتیں پیدا کر لیں تو یہ دونوں محکمے اپنے آپ بیجان اور نکمے ہو جائیں گے، اور اگر ہمارا پربندھ پورا اور پکا ہے

تو اُنھیں بالکل ہی بند ہونا پڑے گا۔

ان پر بیت راجوں یا ان محکموں کی غذا یا آہار وہ کام ہے جو ہم ان سے لیتے ہیں، وہ سہیوگ ہے جو ہم انھیں دیتے ہیں۔ اگر ہم ان کا یہ کھانا روک دیں تو سنسار کی کوئی شکتی انھیں زندہ نہیں رکھ سکتی۔ اسہیوگ یعنی سہیوگ (مدد) نہ دینا ستیاگرہ کا ہی ایک رُوپ ہے۔ پر ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کیول اہنسا سے یا کیول اسہیوگ سے انھیں ختم کر دینے کی آشا کرنا بے کار ثابت ہوگا اور ہماری کٹھنائیوں کو بڑھا دے گا۔ اس سے ہماری ستیاگرہ کی شکتی بھی کم ہوگی۔ سچ یہ ہے کہ ہر اسہیوگ کا رُوپ رچناتمک ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ کہ ہم ایک کے بعد ایک اپنی سب ضرورتوں کو پورا کرنے کی اپنے میں شکتی اور سادھن پیدا اور جمع کرتے رہیں۔ جتنی ہماری یہ کوشش کامیاب ہوگی اتنا ہی وہ محکمہ یا راج، جسے ہم مٹانا چاہتے ہیں، ختم ہوتا جائے گا۔ اگر ہم ہنسا کرودھ، بدنیتی یا جلد بازی سے کام نہ لیں تو ہمیں کامیابی ضرور اور جلد ملے گی۔ جلد بازی کام کو خراب کرتی ہے اور اس راستے کا سب سے بڑا خطرہ ہے۔

ہمیں اس بات کو اچھی طرح دل میں جما لینا چاہیئے کہ ہمارا اصلی مقصد ان پُرانی پنچائتوں اور اس پُرانی سبھیتا کو، جس نے ان پنچائتوں کو جنم دیا تھا، ان میں ایک نئی جان اور نئی روح ڈال کر پھر سے قائم کرنا ہے۔ ہم نے اوپر دکھایا ہے کہ باپو کے ودھان کی پنچائتیں ستیاگرہ اور اسہیوگ کی مدد سے کس طرح پوری راج کاجی مالی آزادی حاصل کر سکتی ہیں۔ بالکل اسی طرح یہ پنچائتیں پچھمی سبھیتا کی نیتک غلامی سے دیش کو آزاد

کرسکتی ہیں پچھمی سبھیتا کی اس غلامی پر ہی ہماری اور سب غلامیوں کے محل بنے ہیں۔ پچھمی سبھیتا ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم اپنے لابھ کے لیے ایمانداری، بے ایمانی، سچ جھوٹ سب سے ایک سا کام لے سکتے ہیں۔ یہی سبق ہمارے بہت سے نیتا حکومت کی پالیسی چلانے میں اور کانگریس کی پارٹی بازی کے کرشموں میں بڑے سے بڑے پیمانوں پر سکھا رہے ہیں۔ انگریزی عدالتوں نے ہمیں جھوٹ بولنے اور جھوٹا حلف اٹھانے کی تعلیم ایسی دی کہ دنیا کی کسی بری سے بری سنستھا یا بڑے سے بڑے سنگٹھن نے شاید ہی کبھی کسی کو دی ہو۔ پر ہماری حکومت کی کنٹرول کی پالیسیوں نے تو ان پالیسیوں کے چلانے والوں کی اچھی سے اچھی نیت ہوتے ہوئے بھی، جھوٹ فریب اور بے ایمانی پھیلانے میں کچھ برسوں کے اندر اتنا کام کر دیا کہ جتنا ان عدالتوں نے صدیوں میں بھی نہیں کر پایا تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو نفرت اور غصہ انگریزی راج کے خلاف صدیوں میں پیدا ہو پایا تھا وہ اپنی حکومت کے خلاف برسوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ پر ہمارے آج کل کے نیتا بے بس ہیں۔ وہ حکومت اور کانگریس دونوں کو پچھمی سبھیتا کی شیطانی چالوں اور برائیوں سے الگ نہیں کر سکتے۔ کارن یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی دوسرا راستہ ہے ہی نہیں۔ باپو کے راستے کو وہ ہوائی اور ان ہونی چیز سمجھتے ہیں۔

گاؤں کے لوگوں نے ابھی تک ادھرم کو دھرم مان لینا شروع نہیں کیا ہے۔ اس لئے اگر ان کے سامنے پچھمی سبھیتا کی ڈرائونی

صورت اپنے پورے خونی رنگوں کے ساتھ رکھی جاوے اور حکومت اور کانگریس پر اس کے گھاتک اثروں کا نتیجہ دکھایا جاوے تو ناممکن ہے کہ ان کے دلوں میں بھگوان کا ڈر پھر سے پیدا نہ ہو، اور وہ کھُلی بدکاریوں کے ڈر سے اپنے کو بچانے کی ضرورت محسوس نہ کریں۔ ہمیں انھیں سمجھانا چاہیئے کہ باپو انھیں پچھمی سبھیتا کی غلامی سے بچانا چاہتے تھے۔ کسی کی بھی غلامی سے بچنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اسے سہہ یوگ دینا بند کر دیں۔ ہم نے کہا ہے کہ ہمارا سہہ یوگ ہی وہ بھوجن ہے جو ہماری ورودھی شکتی یا سنستھا کو جیوت رکھتا ہے۔ پچھمی سبھیتا کو اگر ہمیں دیش نکالا دینا ہے تو ہم اس سے اپنا سہہ یوگ توڑ دیں۔ اس سے اس کا آپ ہی آپ خاتمہ ہو جائے گا۔ سہہ یوگ توڑنے کا سب سے سیدھا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنی پرانی سبھیتا کے ان پیارے اصولوں کو جیسے سچ بولو، چوری نہ کرو، مار پیٹ نہ کرو وغیرہ ان بنیادی اصولوں کو اپنے گاؤں کے بھائیوں کے آپسی دیوہار کا اٹل نیم بنالیں۔ جس طرح کسی منتر سے بھوت بھاگتا ہے اسی طرح ان سادے نیموں پر ایمانداری کے ساتھ جم جانے سے پچھمی سبھیتا اور اس سے پیدا ہوئے سارے دکھ دور ہو جاویں گے۔

دنیا کی کوئی اونچی مذہبی کتاب ایسی نہیں ہے جو ہمارے اس دعوے کی تائید نہ کرتی ہو۔ ابھی سو سال بھی نہیں ہوئے کہ ہمارے سارے گاؤں کا جیون انھیں اصولوں پر چل رہا تھا۔ ساری دنیا کے اتہاس لیکھک ہمارے دیش کی اس خوبی اور اس

وشیشتا کی دل سے تعریفیں کرتے ہیں۔ اس لیئے اس جیون کا واپس لانا ہماری سچی کوششوں کے سامنے کوئی اَن ہونی بات نہیں ہے۔ اگر ہم ایک بار اپنے اس کھوئے ہوئے جیون کو واپس لے آویں تو پُرانی پنچائتیں، پُرانی سبھیتا، پُرانی شکتی اور پُرانی خوشحالی سب اپنے آپ واپس آجاویں گے۔

اگر ہم اپنے میں ستیاگرہ کی شکتی پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیئے اِن اصولوں پر کار بند ہونے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ گاؤں کی برادریاں ابھی زندہ ہیں۔ حُقہ پانی انھیں بنائے رکھنے کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس سے بڑھ کر انسانی ہتھیار کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا اور ہزاروں سال سے یہ برابر اپنا کام کر رہا ہے۔ باپو کے سہہ یوگ اور اسہ یوگ کا یہ حُقہ پانی اور اس کا بند کر دینا ایک سُندر نمونہ ہے۔ اگر کسی گاؤں کے نیک لوگ آپس میں ایک دِل ہو کر اور سنگٹھن کر کے گاؤں کو بُرائیوں اور بدکاریوں سے پاک صاف رکھنے کا ارادہ کریں تو کیول اِن نیک لوگوں کا پریم بھرا اسہ یوگ ہی سب بُرائی کرنے والوں کو بُرائی چھوڑ دینے پر مجبور کر دے گا۔

پچھمی سبھیتا کا ایک زبردست بہاؤ آیا۔ ہمارے پاؤں اُکھڑ گیئے۔ مگر ہم نے پھر پاؤں جما لیئے اور اپنی پُرانی سبھیتا کے اصولوں اور طاقتوں کی مدد لے کر اس ودیشی حکومت کو مٹا دیا جو یہ طوفان اپنے ساتھ لائی تھی۔ وہ حکومت اپنا گھاتک اثر ہماری دیشی حکومت اور دیش پر چھوڑ گئی ہے۔ ہماری جس سبھیتا نے دو سو سال تک کچلے جانے کے بعد دنیا کی

سب سے بڑی مادّی طاقت کو اپنی روحانی اور اخلاقی طاقتوں کی مدد سے مٹا دیا، یہ ناممکن ہے کہ وہ کچھ دنوں میں اپنی نئی دیشی حکومت پر قابو نہ پا سکے۔ ہماری آج کل کی دیشی حکومت کی تلواریں اور پولیس اسے بچاکر نہیں رکھ سکتیں۔ ٹھیک جیسے یہ انگریزی راج کو نہ بچا سکیں۔ ہماری دیشی حکومت ستیہ اور اہنسا، انصاف اور انسانیت، نمرتا اور سیوا کے راستے پر چل کر ہی بچ سکتی ہے۔ اس کی دولت، طاقت، ہمّت اور سنگٹھن بنا نیتک بل کے اور بنا انسانیت کے بالو کے محل ہیں۔ انھیں لوہے کے قلعے سمجھ لینا حکومتوں کے لئے سب سے بڑی بدنصیبی اور خطرہ ہیں۔ جرمنی اور جاپان دنیا کی وہ دو طاقتیں تھیں جن کی تلواروں کا دُنیا پر سکہ جما ہوا تھا اور جن کے دُنیا پر قبضہ پالینے کے سپنے بالکل بے بنیاد نہیں تھے۔ لیکن آج ان کی تلواریں ٹوٹی پڑی ہیں، وہ گھائلوں کی طرح زمین پر پڑے تڑپ رہے ہیں۔ اور امریکہ، انگلستان اور دوسرے متر راشٹر انھیں جی بھر کر پیروں تلے کچل رہے ہیں۔ یہ وہی امریکہ اور انگلستان ہیں جو نہتے ہندستان پر اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکے۔ انگریز یہاں سے گئے ہیں تو ہماری فوجوں، ہوائی اور سمندری جہازوں، زہریلی گیسوں یا ایٹم بموں کے ڈر سے نہیں گئے۔ وہ گئے ہیں جنتا کے اسہیوگ اور ستیاگرہ کے ڈر سے۔ اور اگر آج بھی وہ ہمارے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں اور اپنی چالوں سے ہمیں اپنے جال میں پھر سے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن ہم پر سیدھا قبضہ جمالینے کی ہمّت نہیں کرتے، تو اس میں انھیں ہماری ''کھلونا'' فوجوں اور انگریزی جل سینا کے ٹوٹے پھوٹے جہازوں کا ڈر نہیں ہے۔

نہ اُنھیں روس کا ڈر ہے۔ اُنھیں بس ایک ہی ڈر ہے، اور وہ ہندستان کی جنتا کے اسہ یوگ کا۔ اس پہلو پر ہمیں دھیان رکھنا چاہیئے۔ اگر دیش کی حکومت اور جنتا دونوں اس پہلو پر غور کرکے اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں تو دیش کے سارے دُکھ درد بہت جلدی دُور ہو جا سکتے ہیں اور ہمارا دیش ہمیشہ کیلئے دوسرے دیشوں کی آرتھک غلامی اور اُن کی فوجوں کے ڈر سے آزاد رہ سکتا ہے۔

حکومت باپو کے سوادلمبن کے سندیش کو سُنے یا نہ سُنے، جنتا کو اِدھر دھیان دینا ہی چاہیئے۔ کیونکہ اس کے سُننے یا نہ سُننے میں حکومت کا کوئی خاص نقصان نہیں۔ نقصان کیول جنتا کا ہی ہے۔ جنتا کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ لاکھوں برس کی کوششوں اور بربادیوں کے بعد آج وہ یُگ آیا ہے کہ جب دُنیا نے اسے دیش کا سچّا بادشاہ مان لیا ہے۔ پر ابھی تک یہ کیول اُصولی اور کاغذی ماننا ہے۔ دُنیا میں راجہ نہیں رہے پر رکت ویر راکشش کی طرح اُن کے خون کی ہزاروں بوندیں دُنیا پر گری ہیں اور بوندوں میں سے ایک راجہ کی جگہ سیکڑوں نیٔے راجاؤں نے جنتا کے نمائندوں کے روپ میں راج گدّیاں لے لی ہیں اور بیچاری جنتا پہلے کی طرح ویسی ہی بھیڑی کی بھیڑی، بنی ہوئی ہے۔ اگر جنتا پارلیمنٹی حکومت کی اصلیت کو پوری طرح سمجھ نہ لے گی تو اُسے اس کے جال میں پھنسے رہ کر مچھلی کی طرح سدا تڑپنا ہوگا۔ اُس کا اِس جال کو جلدی سے جلدی توڑنا اُس کے جیون اور آزادی دونوں کے لیئے ضروری ہے۔

اس جال کو توڑنے کے لئے سوائے باپو کے دکھائے ہوئے راستے کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اپنی پرانی سبھیتا اور باپو کے سواولمبن کا سہارا لے کر جنتا کو اپنے دیش کا سچا راجہ بننا ہوگا. پارلیمنٹری راج کے ذریعے جنتا کبھی سچی راجہ نہیں بن سکتی ہمیشہ غلام ہی بنی رہے گی۔ دنیا کی جو حکومت بھی فوجوں، بندوقوں، پولیس اور لاٹھیوں پر قائم ہوگی اس کی جنتا ہمیشہ غلام رہے گی اور وہ حکومت جنتا کی بادشاہ اور اسے چوسنے والی رہے گی۔ جنتا کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ زمانہ جب فوجیں اور پولیس ڈاکوؤں، چوروں، ٹھگوں اور دوسرے مجرموں کو گرفتار کرنے کا کام کرتی تھیں، اب نہیں رہا۔ اب پولیس اور فوجوں کا اصلی کام راج کا جی پارٹیوں کو دبانا ہے۔ یہ پارٹیاں جنتا کے جسم کو چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں کاٹ کر انھیں اپنی سینا بنا لیتی ہیں اور انھیں سیناؤں کو اپنی دردھی پارٹیوں یا حکومت کے خلاف لڑا لڑا کر مٹاتی رہتی ہیں۔ ان پارٹیوں کا کچھ نہیں جاتا۔ ہر طرف سے خون اور بربادی جنتا ہی کی ہوتی ہے۔ حکومت جو کبھی لڑائی لڑتی ہے اور ان میں سے جنتا کے جسم کے ہر ٹکڑے پر اس کی گولیاں اور لاٹھیاں برستی ہیں اور غضب یہ ہے کہ اس سارے خون خرابے کی اصلی غرض جنتا کا فائدہ بتایا جاتا ہے۔ یہ سب پارٹیاں اور ان سب سے بڑھ کر حکومت ان ظلموں میں اپنے آپ کو جنتا کا رکھشک اور سچا سیوک بتاتی ہے۔ جنتا بیچاری اپنی ناسمجھی اور بھولے پن سے ان سب کی چالوں اور جھوٹے وعدوں کو نہ سمجھ کر ان کے لئے

اپنا خون بہاتی اور مال لُٹاتی رہتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اندھیر اور کیا ہوسکتا ہے۔ اور تماشہ یہ کہ پارلیمنٹی راج پارٹی بندی کو ہی اپنی جان اور ایمان مانتا ہے۔ بنا دو وِرودھی پارٹیوں کے پارلیمنٹی راج چل ہی نہیں سکتا۔ کچھی پنڈتوں کا کہنا یہ ہے کہ بنا دو وِرودھی پارٹیوں کے حکومت پارلیمنٹی خوبی کے ساتھ چل ہی نہیں سکتی۔ اس کی یہ دو پارٹیاں تعداد میں مچھلی کے انڈوں کی طرح اَن گنت بڑھتی ہیں۔ یہاں تک کہ دیش کا کونہ کونہ اِن پارٹیوں سے بھر جاتا ہے جبتک دنیا کی جنتا اس پارلیمنٹی راج اور اس کے اِن بچوں کا خاتمہ نہ کرے گی تب تک اس کے اسی طرح ٹکڑے ہوتے رہیں گے۔ یہ مٹتی رہے گی اور اس کے خون کے دریا بہتے رہیں گے۔ یہ سب پارٹیاں جنتا کو ملک کا اصلی بادشاہ بتاتی ہیں۔ دنیا میں کسی بادشاہ کے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے نہ کیئے گئے ہوں گے۔ جیسے بیچاری جنتا بادشاہ کے۔ ہر حکومت کے بڑے بڑے نیتا بھی ہر موقع پر اپنے اعلانوں، دیاکھیانوں اور قانونوں میں اور طرح طرح سے جنتا کو اُس کے بادشاہ ہونے کا اعتبار دلاتے رہتے ہیں اور ان کا ہمیشہ یہ دعویٰ رہتا ہے کہ یہ جو کچھ کرتے ہیں جنتا کے سُدھار اور بھلے کیلئے ہی کرتے ہیں۔ آج تک دنیا میں کسی نے اپنے بادشاہ یا مالک کا سدھار اور اُس کا بھلا بندوقوں، لاٹھیوں، جُرمانوں اور جیلوں سے نہ کیا ہوگا۔ یہ سارا اندھیر پارلیمنٹی راج اور اُس کی پیدا کی ہوئی پارٹیوں کا ہے جو ایک کے بعد ایک جنتا کے نمائندہ بن کر تخت پر بیٹھتی ہیں اور جنتا پر باری باری یہی اندھیر کرتی ہیں۔

جنتا اسے کیول اسی لئے برداشت کر لیتی ہے کیونکہ وہ ابھی تک سچ مچ کی بادشاہ نہیں بنی ہے۔ ابھی تک یہ دنیا سے کیول اپنا بادشاہ بننے کا ادھیکار منوا پائی ہے۔ ابھی یہ تخت پر بیٹھی نہیں۔ ابھی اس میں بادشاہ ہونے کا سچّا بھاؤ اور سرکاری کرمچاریوں کو اپنا نوکر ماننے کا سچّا سچّا خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ نہیں تو یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ ہو اور یہ اسے سہہ سکے۔ جب تک جنتا میں اتنی سمجھ، اتنا سنگٹھن اور اتنی شکتی پیدا نہ ہوگی کہ وہ اپنے کو سچ مچ مالک اور حکومت چلانے والوں کو اپنا سیوک مانے اور بنا سکے تب تک لوک راج کا نام لینا بے ایمانی ہے۔

سچے لوک راج کا پہلا قدم اُس سے جمے گا جب جنتا اپنے راج چلانے والوں سے فوج اور پولیس رکھنے کی طاقت چھین لے گی اور دُنیا کے راج کاجی جیون سے ان حکموں ہی کو مٹا دے گی۔ جب تک حکومتوں کا دار مدار اور آدھار فوجوں اور پولس پر ہے تب تک جنتا کو کوئی طاقت غلامی سے نہیں بچا سکتی۔ اس میں حکومت کا اتنا قصور نہیں ہے جتنا جنتا کی بے پرواہی اور بے خبری کا۔ پُرانی شہنشاہیوں کا رُعب ابھی تک جنتا کے دلوں پر چھایا ہوا ہے۔ جنتا کی غلامی کی وہ ہُوا جس میں یہ کہاوت بن گئی تھی —— جیسا راجہ تتھا پرجا —— یعنی جیسا راجہ ہوگا ویسی ہی جنتا ہوگی، آج تک جنتا کے دل اور دماغ پر اپنا اثر جمائے ہوئے ہے۔ لوک راج کے زمانہ میں یہ ساری حالت جڑ سے بدلنی چاہئے۔

اب جنتا راج ہے۔ اب کہنا چاہیئے 'یتھا پرجا تتھا راجہ'، یعنے جیسی جنتا ہوگی ویسی ہی حکومت ہوگی۔ دُنیا میں کوئی بنا سوارتھ اور بے لاگ خدمت (سیوا) کے سیوبہ یعنی مخدوم نہیں بن سکتا۔ اگر جنتا یہ چاہتی ہے کہ وہ راج چلانے والوں کو اپنا سیوک اور خادم بنالے تو وہ اپنا یہ مقصد فوجوں، پولیس یا تلواروں سے حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ یہ فوجیں اور پولیس تو ایک بار ان کا سنگٹھن ہوجانے کے بعد حکومت کی ساری دولت اور طاقت کو اپنے ہی ہاتھوں میں لے لیں گے۔ اور پہلے راجاؤں کی جگہ یہ جنتا کے دوسرے راجہ بن بیٹھیں گے۔

جنتا کے اصلی راجہ بننے کا طریقہ سوائے اس کے جو باپو نے بتایا ہے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ طریقہ سوادلمبن اور اسہ یوگ کا طریقہ ہے۔ جنتا کا اسہ یوگ چاہے کسی دیشی حکومت سے ہو یا ودیشی حکومت سے، اتنی زبردست شکتی ہے کہ جس سے کوئی حکومت ٹکر نہیں لے سکتی۔ پر اس اسہ یوگ کا رُوپ رچنا تمک ہونا چاہیئے، ہنسا تمک نہیں۔ پولیس اور فوجوں سے مار کاٹ کی ٹکر لیکر یا کیول انھیں اپنے اسہ یوگ سے بھوکا مار کر ہم انھیں یا حکومت کو کوئی اصلی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس سے تو ہم کو ہی بڑے سے بڑے پیمانے پر نقصان پہونچے گا۔ اسہ یوگ کا رچنا تمک رُوپ سوادلمبن ہے یعنی یہ کہ اپنے علاقوں کا سنگٹھن اس طرح کرلیا جائے کہ وہ اپنے جھگڑوں کو آپ نپٹالیں اور اپنی رکھشا آپ کر سکیں۔ اگر ہم یہ سنگٹھن کرلیں تو کوئی حکومت نہ ہم پر پولیس راج قائم کرسکتی ہے اور نہ اس کی کوشش ہی کرسکتی

ہے۔ اگر ہمارے دیش میں امن امان بنائے رکھنے کی ذمہ داری جنتا اپنے ہاتھوں میں لے لے تو دیش میں اتنا بڑا سنگٹھن پیدا ہو جائے اور جنتا میں اسہ یوگ کرنے کی اتنی شکتی ہو جائے اور اس کے پاس اتنے سادھن جمع ہو جائیں کہ اس کے بعد دُنیا کی کوئی حکومت اس پر فوجوں اور پولیس کی مدد سے اپنا راج نہیں جما سکتی۔ جہاں تک اپنی دیشی حکومت کا سمبندھ ہے وہاں تک اس پر اس سنگٹھن کا ویسا ہی اثر پڑے گا جیسا زہر کا دانت نکال لینے کا کالے ناگ پر پڑتا ہے۔ وہ پھر جنتا کا کچھ بگاڑ ہی نہ سکے گی۔

آج سے سو برس پہلے ہمارے گاؤں خود اپنی رکھشا کا پربندھ کرتے تھے اور یہ پربندھ اتنا اچھا اور پورا کرتے تھے کہ ہر اتہاس لیکھک نے اس کی تعریف کی ہے۔ سوائے پچھمی سبھیتا کی مرکزیت کے اور گاؤوں کو اُجاڑ کر اُن کی جگہ بڑے بڑے شہر آباد کرنے کی طرف جھکاؤ کے اور کوئی کٹھنائی اس سنگٹھن کو پھر سے قائم کر دینے میں ہمارے سامنے نہیں آ سکتی۔ باپو کہتے تھے کہ اگر حکومت میرے ہاتھ میں آ جائے تو میں بنا پولیس اور فوج کے اُسے چلانے کی ذمہ داری لے سکتا ہوں۔ اُن کے سامنے اس بات کو پورا کرنے کا یہی سیدھا سادا راستہ تھا۔

جنتا اگر اس راج کاجی پہلو کے علاوہ اس یوجنا کے سماجی، مالی اور روزگاری پہلوؤں پر دھیان دے تو اُسے اس یوجنا کے سمجھنے اور اُس سے اپنے اور دیش کے لابھ کو جاننے میں اور بھی بڑی مدد مل سکتی ہے۔ دُنیا کی کوئی حکومت بنا جنتا کے سہہ یوگ، اُس کے سنگٹھن اور اُس کی پوری پوری مدد

کہ آج کل کے زمانے میں نہ امن قائم رکھ سکتی ہے اور نہ انیائے اور اتیاچاروں کے طوفانوں کو بڑھنے سے روک سکتی ہے۔ ہماری حکومت کے نیتاؤں سے بڑھ کر نیک نیت آدمی دوسری حکومتوں میں ملنا کٹھن ہے۔ یہ لوگ نیک نیتی کے ساتھ اپنی ساری طاقت رشوت کو روکنے میں لگا رہے ہیں پر رشوت روکنے کی جگہ دن دن شیطان کی آنت کی طرح بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اگر جنتا اپنے آپ سنگٹھن کرکے اس طوفان کو نہیں روکتی تو دنیا کی کوئی شکتی اسے نہیں روک سکتی۔ اسی طرح مہاپردا ایکتا کے طوفان کو روکنے میں ان نیتاؤں نے اپنی ساری شکتی لگا دی تھی پھر بھی اسکی باڑھ بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اگر باپو اپنی جان دے کر اسے ٹھنڈا نہ کرتے تو حکومت اکا نگریس، دیش سبھی اس کی باڑھ میں بہہ کر ختم ہو گئے ہوتے۔ دیش کے سدا بپار کو ٹھیک کرنا اور امن قائم رکھنا پوری طرح جنتا کے ہاتھ کی چیزیں ہیں۔ جنتا کے سوائے نہ کوئی اس ذمہ داری کو لے سکتا ہے اور نہ کامیابی کے ساتھ نباہ سکتا ہے۔ جنتا اگر ان کاموں کی ضرورت کو سمجھ لے اور انھیں کامیاب بنانے میں لگ جاوے تو صدیوں میں نہیں برسوں اور مہینوں میں اسے من چاہی کامیابی مل سکتی ہے۔ یہ کامیابی اور باتوں کے ساتھ ساتھ اسے راج کاجی پارٹیوں کی کھینچا تانی اور اس سے پیدا ہونے والی بربادی سے ہمیشہ کے لئے بچا لے گی۔

اگر جنتا اپنی رکھشا کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لے تو ایک طرف تو یہ اپنے علاقے کے ناسمجھ اور بھٹکے ہوئے لوگوں پر قابو حاصل کر لے گی اور دوسری طرف اس میں اتنی

شکتی پیدا ہو جائے گی کہ راج کاجی پارٹیاں اور فرقہ دارانہ گروہ پھر اُسے یا دیش کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔

ستیہ گرہ، سیوا اور سوادلمبن دونوں باپو کے رام بان ہیں۔ اُنکا استعمال سیکھ کر کوئی جنتا کمزور اور بے بس رہ ہی نہیں سکتی۔

ہم نے جو کچھ اوپر دیا ہے وہ باپو کے ودھان کا ایک عام ڈھانچہ ہے۔ پارلیمنٹی راج کو سُدھارنے اور اُن پر قابو پانے کے جو طریقے باپو نے اس ودھان میں دیئے ہیں اُن پر ہم اگلے حصے میں لکھیں گے۔

برابر کی گورنمنٹ

باپو کے ودھان کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ہمیں اس بات کو نہیں بھُلانا چاہیئے کہ وہ جنتا کو دیش کا اصلی راجہ اور حکومت کو جنتا کا سچا سیوک بنانا چاہتے تھے۔ ہمارے سماج میں جب تک یہ انقلاب اصلی معنی میں پیدا نہیں ہوتا تب تک سچا لوک راج یا انسانی بھائی چارہ قائم نہیں ہو سکتا۔

پر جنتا کے اصلی راجہ ہونے کے معنی کیا ہیں اور وہ کس طرح اصلی راجہ بن سکتی ہے؟

سنسار کے اتہاس میں یہودی قوم کا یہ دعویٰ تھا کہ اُن کی کتاب توریت میں خدا نے اُنھیں دنیا میں ایک حکومت دینے کا وعدہ

کیا ہے۔ اتہاس کے شروع سے وہ اس حکومت کو ڈھونڈھنے کی دُھن میں لگے ہوئے ہیں۔ اِس لیئے یہودیوں کو 'اتہاس کے باغی' (the rebels of history) کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے توریت کی اِس بھوشیہ بانی کو دوسری طرح سمجھایا۔ اُنھوں نے بتایا کہ خدا کسی سے اِس دُنیا کی حکومت کا وعدہ نہیں کرتا، وہ لوگوں کو پرلوک یعنی بہشت کی حکومت حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے، اور وہی اصلی اور سچّی حکومت ہے۔ پر یہودیوں پر اِس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ یہودی آج بھی وہی اپنی پُرانی حکومت فلسطین میں جمانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کا شروع سے یہ بھی خیال ہے کہ جو نشان اور حوالے اس حکومت کے انھیں دیئے گئے ہیں وہ فلسطین میں اور اُس کے آس پاس بہت کچھ ملتے ہیں۔ جہانتک عیسائیوں کا سمبندھ ہے اُنھوں نے حضرت عیسیٰؑ کی اس بات کو تو مان لیا کہ سچّی حکومت بہشت کی ہی حکومت ہے۔ پر اُنھوں نے اِس میں یہ اور جوڑا کہ بہشت کی حکومت حاصل کرنے کے لیئے دُنیا کی حکومت کا بھی چرچ یعنی عیسائی پادریوں کے ہاتھوں میں ہونا ضروری ہے۔ اِس کے لیئے اُنھوں نے اپنے راجاؤں کی گورمنٹ کے برابر برابر اپنی ایک الگ پیپل گورمنٹ کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ اِس پر راجاؤں سے ان کی ٹکّر ہوئی۔ راجاؤں نے انھیں ہرا دیا اور اسکے ساتھ ہی ساتھ اپنی دُنیا کی حکومت کو مذہب اور سدا چار تک سے پوری طرح آزاد کر لیا۔ اس طرح یورپ میں لا مذہبی اور بے دینی کا وہ دَور شروع ہوا جس نے تھوڑے ہی دنوں میں ساری دُنیا پر اپنا اثر ڈال دیا۔ پاپا اسی بے دینی کو اِس دُنیا سے مٹانا چاہتے تھے۔ اور

اس کی جگہ پرلوک میں نہیں اِسی دُنیا میں وہ نیتک راج قائم کرنا چاہتے ہیں جس کا رُوپ وہی ہوگا جو حضرت موسٰیؑ، حضرت عیسٰیؑ بھگوت گیتا، محمدؐ صاحب اور دُنیا کے ہر بڑے دھرم نے بتایا ہے۔ یعنی سچّا لوک راج اور انسانی بھائی چارا۔

ناگپور میں کانگریس کے لئے باپو نے ایک نیا ودھان بنایا تھا۔ دیش بندھو چترنجن داس نے اُس سمے باپو کے ودھان کو دیکھ کر کہا تھا کہ اس میں باپو نے انگریزی راج کے برابر ایک پیریلل راج قائم کرنے کی داغ بیل ڈالی ہے۔ یہ رائے ایک حد تک ٹھیک تھی۔ پر کانگریس باپو کا یا اُس ودھان کا اصلی مطلب نہ سمجھی۔ کانگریس نے ایک ایسا نیتک سنگٹھن کھڑا کرنے کے بجائے، جو حکومت سے اونچا اور اس کے اوپر ہو اور جو فوج یا پولیس کی طاقت پر نہیں بلکہ نِسوارتھ سیوا اور سدا چار پر قائم ہو، انگریزوں سے راج چھین لینے کو ہی اپنا مقصد بنا لیا۔

کانگریس نے یہ مقصد حاصل تو کر لیا پر کانگریس کے راج بن جانے سے وہی خونی اور گھاتک نتیجے پیدا ہوئے جن کا پیدا ہونا اُس نیتک سنگٹھن کے نہ بن سکنے کے کارن سوابھاوک تھا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ باپو ہمیشہ کانگریس کو حکومت سے باہر رکھنے اور اپنے آپ کو اور مُلک کو ان بُرے نتیجوں سے بچنے کی صلاح دیتے رہے۔ اِس ودھان میں انھوں نے آخری بار کانگریس کو حکومت سے باہر آنے اور اِس حکومت سے اوپر اور اُسکے برابر برابر ایک ایسا پیریلل راج قائم کرنے کی صلاح دی ہے جو جنتا کا سچّا سیوک اور رکھشک ہو اور جو دیش کی

حکومت کو بھی جنتا کا سچا سیوک بنا سکے۔ حکومت کے لئے اِس صلاح کا ماننا آسان نہیں ہے۔ پر جنتا اِس ودھان کو اس طرح بھول نہیں سکتی۔ جنتا کے لئے سچ مچ راجہ بننے کا اور کوئی دوسرا راستہ ہے بھی نہیں، سوائے اس کے کہ وہ اپنے راج کاج کی دیکھ ریکھ اور نگرانی کے لئے اس ودھان کے انوسار ایک نیتک سنگٹھن کھڑا کر لے۔

باپو نے اپنے اس ودھان میں اسی طرح کا ایک پیریلل راج قائم کرنے کی داغ بیل ڈالی ہے، جو پارلیمنٹی راج کی بُرائیوں سے پاک ہو اور جو دیش کی حکومت کو اِن بُرائیوں سے بچا سکے۔

ہم دکھا چکے ہیں کہ باپو نے اپنے اس سنگٹھن کو حد درجے کا غیر مرکزی رکھا ہے اور ہمارے پُرانے اتہاس کے آدھار پر ہر گاؤں کو ایک پوری اور آزاد رتی پبلک کی صورت دی ہے۔ اگر اس طرح کی ایک بھی ری پبلک قائم ہو جاوے تو دوسری قائم ہونے میں دیر نہیں لگ سکتی۔ کٹھنائیاں جو کچھ پڑیں گی شروع ہی میں پڑ سکتی ہیں۔ اس سنگٹھن کی باپو نے جو سب سے چھوٹی بنیادی اِکائی اپنے ودھان میں رکھی ہے وہ ہم اُنہیں کے شبدوں میں نیچے دیتے ہیں—

"پانچ ایسے بالغ مردوں یا عورتوں کی ہر پنچائت جو یا تو گاؤں کے رہنے والے ہوں یا جن کے من میں گاؤں کی لگن ہو، اِس سنگھ کی اِکائی ہوگی۔"

باپو کے اِس اِکائی پر نگاہ ڈالتے ہی ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ اکائی پارلیمنٹی راج کی اُن سب بُرائیوں سے پاک ہے

جنھوں نے اُس راج کو اتنا خطرناک بنا رکھا ہے۔ چُناؤ کی ان میں کوئی چھایا نہیں۔ قانونی نمائندگی کا ان میں کہیں پتہ نہیں۔ انھیں کوئی حق یا سادھن حکومت کی طرف سے نہیں ملے۔ سرکاری پنچائتوں کی طرح یہ کسی سرکاری قانون کی پابند نہیں۔ راج کاجی نگاہ سے انھیں پوری آزادی حاصل ہے۔

اگر ہم انھیں پُرانی پنچائتوں سے ملا کر دیکھیں تو یہ اُن سے بھی اونچی اور اچھی ہیں۔ پُرانے پنچوں کو نمائندگی کا ادھیکار چُناؤ سے ملتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اُن کا چُناؤ اور اُن کی نمائندگی دونوں آج کل کے مقابلے میں سچّے اور اصلی لوک راج کے اصولوں پر تھے۔ پھر بھی اُن کو ادھیکار چُناؤ سے ہی ملتا تھا اس لئے وہ پنچائتیں سوادلبی نہیں تھیں۔ پُرانی پنچائتوں کی بھی بنیادی کمی تھی۔ وہ اپنے اندر کی نیتک شکتی سے پیدا نہیں ہوئی تھیں اسی لئے اُن میں باہر کی شکتیوں سے اپنے آپ کو بچا رکھنے کی طاقت پیدا نہیں ہوسکی۔ دیش کے راجہ اور بادشاہ ان پنچائتوں کے ادھیکاروں میں تو دخل نہ دیتے تھے، پر وہ راجہ جن کے دل میں دیش کے ریت رواجوں کی بہت ادھک قدر نہیں تھی گاؤں کے دوسرے راج کاجی معاملوں میں دخل دے سکتے تھے اور کبھی کبھی دیتے بھی رہتے تھے۔ پر چونکہ دیش کی سبھیتا اور نیتک ہوا ان پنچائتوں کی مددگار تھی اس لئے وہ ہزاروں سال تک اپنا کام اچھی طرح چلاتی رہیں۔ اب وہ حالت بدل گئی۔ اب جب تک کوئی سنگٹھن ایسا کھڑا نہ ہو جائے جو ہمارے دیش کے سدا چار کو غیر سدا چاری حملوں سے بچا سکے تب تک ہماری سبھیتا اس ملک میں قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے ایک

نئے نیتک سنگٹھن کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ باپو کی پنچائتیں اِسی سنگٹھن کا بیج ہیں۔ وہ پُرانی پنچائتوں کی جگہ لینے نہیں آئی ہیں۔ اِن پنچائتوں کے پنچ خود ہمیشہ گاؤں کے چُناؤ اور راج کاجی دائروں سے الگ رہیں گے۔ حکومت اور طاقت چُناؤ اور نمائندگی اپنے ساتھ جو شکتی اور سادھن لاتے ہیں اُن میں اِن پنچوں کا کبھی کوئی حصّہ نہ ہوگا۔ اِن کے تیاگ، ان کی نیک نیتی اور اِن کی بنوارتھ سیوا کا جنتا کے لئے یہی کھُلا ثبوت ہوگا۔ اِسی پر اِن کے اثر اور طاقت کی بُنیاد ہوگی۔ اِن کی سیوا، ان کا ساہس، اِن کی نیک نیتی، اِن کا سداچار اور اِن کا جنتا کے سُکھ دُکھ میں ساتھ دینا، اور جنتا کو باہر کے دباؤ سے بچانے کی دل جان سے کوشش کرنا، یہ سب چیزیں ان کی اُس شکتی کو بڑھاتی رہیں گی۔ اس طرح آج کل کی سرکاری پنچائتوں سے باہر رہتے ہوئے یہ انھیں سوادلمبی بنانے اور پوری آزادی حاصل کرنے کی طرف بڑھاتے رہیں گے۔ گاؤں میں ان کی وہی جگہ ہوگی جو سارے لوک سیوک سنگھ کی دیش میں ہوگی۔

کہا جا سکتا ہے کہ آج کل کی دُنیا میں کوئی گاؤں یا گاؤں کی پنچائت سوادلمبی کیسے ہو سکتی ہے یا کوئی بھی حکومت اپنے آپ کو باہر کی مالی، سماجی، راج کاجی اور نیتک زندگی سے بالکل ناتا توڑ کر سوادلمبی کیسے بن سکتی ہے۔ یہ اعتراض سوادلمبی کے معنی ٹھیک ٹھیک نہ سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ آج کل کی چاروں طرف پھیلی ہوئی اُس کھینچا تانی سے اپنے آپ کو الگ رکھنا جس میں ہر ایک دوسرے کو اپنا دُشمن مانتا ہے، دوسروں سے ناتا توڑنا نہیں ہے، ناتا جوڑنا ہے۔ اپنی ساری ضرورتیں خود اپنی محنت سے پوری کرنے

کی حد درجہ کی کوشش کرنا دوسروں سے ناتا توڑنا نہیں ہے بلکہ اُسی مقصد کی طرف بڑھنا ہے جس کی طرف دُنیا بڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اُن چیزوں سے بچنا جو ہمیں نقصان پہنچاتی ہیں، ہر آدمی اور ہر گروہ کا فرض ہے۔ ایسی چیزوں سے اپنا کام چلا لینا، جو ہمیں اپنے یہاں مل سکتی ہیں اور جو ہماری دولت کو باہر جانے سے روک کر ہمارے پیٹ بھرنے اور تن ڈھکنے میں مدد دیتی ہیں، کسی سے ناتا توڑنا نہیں بلکہ دُشمنی، نفرت، دَنگوں اور جنگوں سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کا راستہ نکالنا ہے۔ اسی سے ہم میں وہ شکتی پیدا ہو سکتی ہے جس سے ہم اپنی اور دوسروں کی سچی رکشا اور سیوا کر سکیں۔ ایک دوسرے سے بیجا فائدہ اُٹھانے کی اِچھا اور کوشش جو آج ہم سب کی عام زندگی ہے، دوسروں سے ناتا جوڑتی نہیں توڑتی ہے۔ اِس اِچھا اور اِس کوشش کو اپنے اندر سے مٹا دینے کے بعد ہی ہم ایک دوسرے سے سچّا اور صحیح ناتا جوڑ سکیں گے۔

دوسروں سے بیجا فائدہ نہ اُٹھانا اور دوسروں کو ہر جائز فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنا یہی سوادیشی کے بُنیادی اُصول ہیں۔ اِس میں اَلگ رہنے یا ناتا جوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ حد درجہ کا سہیوگ ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ اِس سہیوگ کو سدا جاری اور انسانی بُنیادوں تک ہی رکھنا چاہتا ہے، اور یہ بات کیول اپنے بچاؤ کے لئے نہیں بلکہ دُنیا کے سب انسانوں کی بھلائی اور بہتری کے لئے۔

باپو کے اس وِدھان اور اِن بچاؤں میں اپنے کو کچھ چیزوں سے اَلگ رکھنے کی بات بھی ہے۔ پر اَلگ رکھنا کن چیزوں سے؟

آج کل کے جیون کو اُن پہلوؤں سے جو ہماری ساری انسانی زندگی کو ملیا میٹ کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے پر حکومت کرنے سے، دُرا چاروں بے ایمانیوں اور ظلموں سے، جنتا کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے سے، چھوت اچھوت اور سامپردایک زہر سے۔ یہ پنچائتیں تو سب انسانوں کو ایک کُنبہ کے رُوپ میں لانا چاہتی ہیں، دُنیا کو ایک برادری بنانا چاہتی ہیں، اور آدمی آدمی میں سگے بھائیوں کا سا سمبندھ اور ویوہار قائم کرنا چاہتی ہیں۔ اِن میں دوسروں سے الگ رہنے اور ناتا توڑنے کی بات آ ہی نہیں سکتی۔ دُنیا کی حالت اتنی بگڑ گئی ہے کہ اِس میں سچے بھائی چارے اور برابری کا وچار ناتا توڑنا معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کی نااتفاقیوں، پارٹی بازیوں اور طرح طرح کی بُرائیوں میں حصہ لینا ناتا جوڑنا معلوم ہوتا ہے، اور مترتا کا آدرش مانا جاتا ہے۔ جو پارٹیاں دیش کی جنتا کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہیں، جو دھرم مذہب جنتا کو الگ الگ ٹکڑوں میں رکھنے کے لئے لوہے کی دیوار بن گئے ہیں۔ جو دیش ایک دوسرے کو مارنے اور لوٹنے کے لئے ڈاکو بنے ہوئے ہیں، اور جن کی سبھیتا اپنے فائدے کے لئے دوسرے کو نقصان پہنچانا جائز بتاتی ہے، ان سب سے دور رہنے کی کوشش کرنا ہمیں دنیا سے ناتا توڑنا دکھائی دیتا ہے۔ باپو کا ودھان نسوارتھ سیوا اور مانو پریم کو جیون کا بُنیادی اصول بنا کر کسی سے ناتا توڑنا نہیں، بلکہ سب کو ملانے کا سب سے اچھا طریقہ ہے۔ باپو کی پنچائتیں دُنیا سے الگ نہیں رہیں گی۔ اُنکے ودھان ہی میں ان کے بڑھنے اور ایک دوسرے سے مل کر کام کرنے کا نقشہ دیا ہوا ہے۔ ہم اُسے اُنھیں کے شبدوں میں نیچے

دیتے ہیں۔

" اس طرح کی دو پاس پاس کی پنچائتوں کو ملاکر ایک کام کرنے والا جتھا بنے گا جو اپنے میں سے ہی ایک کو اپنا نیتا چُن کر اُس کے ادھین کام کرے گا۔

جب اس طرح کی سو پنچائتیں بن جائیں گی تو اُن کے پچاس پہلے درجے کے نیتا اپنے میں سے ایک دوسرے درجے کا نیتا چُنیں گے، اسی طرح برابر ہوتا رہے گا۔ اس بیچ پہلے درجے کے نیتا دوسرے درجے کے نیتا کے ادھین کام کریں گے۔ دو دو سو پنچائتوں کے اسی طرح برابر برابر کے گروہ بنتے رہیں گے جب تک کہ یہ پنچائتیں سارے ہندستان میں نہ پھیل جائیں۔ اِن پنچائتوں کا بعد کا ہر گروہ پہلے گروہ کی طرح اپنا دوسرے درجے کا نیتا چُنے گا۔ دوسرے درجے کے سب نیتا مل کر سارے ہندستان کی سیوا کریں گے اور الگ الگ اپنے علاقوں کی سیوا کریں گے۔ دوسرے درجے کے نیتا جب کبھی ضروری سمجھیں اپنے میں سے ایک کو سردار چُن سکیں گے۔ وہ سردار جب تک چاہے گا اُن سب گروہوں کی قاعدے داری کرے گا اور انھیں اپنے حکم میں رکھے گا۔

اِس سے ظاہر ہے کہ یہ پنچائتیں دوسروں سے ناتا توڑنے کے اُصول پر قائم نہیں کی گئیں۔ اِن میں سے ہر ایک کو اپنے ہی نہیں سارے ہندستان بلکہ دُنیا کے بھلے کو سامنے رکھ کر کام کرنا ہوگا۔ ساتھ ہی یہ پنچائتیں ایک انقلابی پیغام لے کر دُنیا کے سامنے آئی ہیں اس لیے اِن کے سنگھٹن کی بُنیاد اس طرح پر پڑنی ضروری ہے کہ وہ دُنیا کی آپس کی دُشمنیوں، لاگ ڈانٹ کھینچا تانی اور گلا تک چالوں

سے اپنے آپ کو اور اپنے علاقوں کو بچا کر رکھ سکیں۔

اوپر کی دفعاؤں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باپو نے جو پہلو چناؤ کا اِن میں رکھا ہے وہ آج کل کے چناؤ سے بالکل دوسرے ڈھنگ کا ہے۔ جو مرکزیت باپو نے ان میں رکھی ہے اُسے چناؤ ہوتے ہوئے بھی ڈکٹیٹری کی شکل دی ہے۔ اس ودھان میں اس سے زیادہ ان پنچائتوں، ان کے گروہوں اور نیتاؤں کے آپسی سمبندھ کی بابت کوئی اور نیم باقاعدے نہیں دیئے گئے۔ یہ تینوں باتیں پارلیمنٹری راج کے چالو طریقوں سے بالکل الگ ہیں۔

جہاں تک اِن پنچائتوں کا سوال ہے باپو نے ہر طرح کی چناؤ کی بُرائیوں سے انھیں بچایا ہے۔ چناؤ کا جو پہلو انھوں نے ان پنچائتوں میں لے لیا ہے اس میں سے بھی اُس کے زہر کو نکال دینے کی ایک عجیب صورت نکالی ہے۔ ودھان کہتا ہے کہ پہلے درجے کے نیتا اپنے میں سے ایک دوسرے درجے کا نیتا چُنیں گے اور اُسے اپنا لیڈر مان کر اُسی کے نیچے کام کریں گے۔ باپو نے اِس نئے طریقے میں آجکل کے چناؤ کا سارا رُوپ اور ڈھنگ بدل دیا ہے۔

باپو اس دُنیا میں ایک زبردست نیتک کیمیاگر (Moral-Chemist) تھے۔ عام طور پر چناؤ میں لوگوں کے دلوں کے بُرے سے بُرے بھاؤ نفرت، غصہ، بُکرام، بے ایمانی سب اوپر آجاتے ہیں۔ باپو کے اِس چناؤ میں یہ ساری صورت بدل گئی۔ اس سے پہلے درجے کے نیتاؤں میں تیاگ اور اُدارتا پیدا ہو گی اور دوسرے درجے کے نیتاؤں میں نمرتا احسان مندی، اور وفاداری پیدا ہوگی۔ اور دونوں ہی میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور محبت پیدا ہوگی۔

ایک دوسرے کی عزّت ہوگی۔ اگر باپو کا بتایا ہوا یہ ڈھنگ عام ہوجائے تو چناؤ کی ادھک تر بُرائیاں دُور ہو سکتی ہیں۔ پُرانے اور پہلے درجے کے نیتاؤں اور نئے یا دوسرے درجوں کے نیتاؤں میں جو کھینچا تانی ہوتی ہے وہ ہمارے راج کاجی جیون کا سب سے بھدّا اور دردناک پہلو ہے۔ باپو نے اپنے نئے ودھان میں اسے ختم کردیا ہے۔ باپو یہ نہیں مانتے تھے کہ اگر ذمہ دار عہدوں پر اوّل درجے کے نیتا ہونگے تبھی ان عہدوں کا کام اچھی طرح چل سکے گا۔ حکومت کے اور ذمہ داری کے کام دوسرے درجے کے نیتاؤں سے لینا اور پہلے درجے کے نیتاؤں کا خود پیچھے رہ کر جنتا کی سیوا کرنا ایک نیا اور بہت ہی اچھا پریوگ ہے۔ یہی سچّی غیر مرکزیت ہے۔ اسی سے سچّا لوک راج پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم اگر باپو کے اس اصول کو سمجھ لیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو دُنیا کے راج کاجی جیون کی آدھی سے زیادہ گندگی مِٹ جائے۔

اِس ودھان میں دوسری بات جس کی طرف ہمیں دھیان دینا ہے وہ اِن پنچائتوں کا دیش کی مرکزی سرکار کے ساتھ سمبندھ ہے۔

ان میں پارلیمنٹی راج کی کوئی جھلک نہیں ہے۔ اگر کوئی جھلک ہے تو ڈکٹیٹری کی۔ یہاں بھی باپو نے دوسرے درجے کے نیتا کو پہلے درجے کے نیتاؤں کا ڈکٹیٹر بناکر ڈکٹیٹری کے زہر کو نکال دیا۔ وہ ڈکٹیٹر بھی جبری نہیں چُنا ہوا ہوگا۔ ڈکٹیٹری یا ڈکٹیٹرشپ اِسے کہتے ہیں کہ ایک آدمی جو کسی راج یا سنستھا کا سردار ہو بِنا کسی دوسرے کی رائے کی پرواہ کئے سارا کام اپنی اکیلی رائے سے چلا سکے۔ عام طور پر ڈکٹیٹر یا ڈکٹیٹری کے نام سے ہمیں اتنی نفرت

ہے اور اپنے آج کل کے راج کے ڈھنگ پر ہم اتنے لٹو ہیں کہ ہمیں اِن دونوں طریقوں کی الگ الگ بھلائی بُرائی دکھائی بھی نہیں دیتی۔

سچ یہ ہے کہ پارلیمنٹی راج میں قانون بنانے کے ڈھنگ اتنے بُرے اور اتنے خطرناک ہیں کہ قانون بنانے کا اس سے زیادہ بُرا ڈھنگ سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ اِن کے بنائے ہوئے آج کل کے ادھک تر قانون نکمے، نقصان پہونچانے والے اور غیر ضروری ہوتے ہیں۔ ہمارے اِس لوک راج کے دَور میں قانون ایسے اور اتنے ہونے چاہئیں کہ جنھیں سب آسانی سے سمجھ سکیں، اور یاد رکھ سکیں۔ آجکل پارلیمنٹی طریقے کی بدولت اتنے اور ایسے قانون بنتے ہیں کہ جن سب کو جاننا تو الگ رہا اِن کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بڑے سے بڑے وکیلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس پر بھی ایک ایک قانون اور ایک ایک دفعہ کے طرح طرح کے اور ایک دوسرے کے خلاف معنی کئے جاتے ہیں اور ہر معنی کے لئے بے انت بحثیں ہوتی ہیں۔ اس پر اندھیر یہ کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ اِن سب قانونوں کو جانے۔ کوئی غلطی کرنے والا کسی کچہری یا دربار میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس قانون یا دفعہ کو نہ جانتا تھا۔ معلوم نہیں دُنیا کو قانونوں کی ضرورت یا قانونوں کی بھوک کتنی بڑھ گئی ہے کہ ہماری قانون بنانے والی دھارا سبھاؤں کو قانون بنانے سے کبھی فرصت ہی نہیں ملتی۔ جنتا کے کروڑوں اور اربوں روپیے اِن دھارا سبھاؤں اور اِن کی عمارتوں پر خرچ ہوتے رہتے ہیں۔ دنیا کے کسی شہنشاہ کے دربار پر بھی شاید اتنا خرچ نہ ہوتا ہوگا۔ پرانی دُنیا میں دو چار کتابیں کروڑوں آدمیوں کی ضرورتوں کے لئے کافی ہوتی تھیں۔

اب بڑے سے بڑے کتاب گھر بھی کافی نہیں ہوتے۔ کروڑوں روپئے پانی کی طرح بہائے جاتے ہیں۔ اس ساری فضول خرچی اور اتنے بڑے بڑے لوگوں کے اپنی جان کھپانے اور اپنے دماغ لڑانے کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی مقدمہ ایسا نہیں ہوتا جس میں بڑے سے بڑے جھوٹ اور فریب کسی نہ کسی پیمانے پر نہ برتے جاتے ہوں۔ جس کسی آدمی کا قانون سے کچھ بھی سمبندھ رہا ہے وہ جانتا ہے کہ شاید ہی کوئی مقدمہ بنا جھوٹ کے چلایا جا سکتا ہو یا کامیاب ہو سکتا ہو۔ ہمارے انوکھے لوک راج کی اِس سنستھا نے جنتا کو جان بوجھ کر جھوٹ بولنے پر جتنا مجبور کیا ہے اتنا شاید ہی کسی دوسری بات نے کیا ہو۔ پھر بھی قانون گڑھنے کی ان نئی ٹکسالوں کو ہم پچھمی سبھیتا کا سب سے چمکتا ہوا اور بڑھیا کارنامہ سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

قانون سازی کے اِن محلوں کی ایک وِشیشتا یہ بھی ہے کہ ان کے ممبر جن شرطوں پر چُنے جاتے ہیں ان میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں ہے کہ جو لوگ چُنے جاویں اُنھیں قانون بنانے کی جان کاری بھی ہو۔ قانون بنانا اِن کا پیدائشی حق مان لیا گیا ہے۔ یہ کہنا کہ لوک راج اور انسانی برابری کے زمانے میں قانون بنانے کا حق سب کو ایک برابر حاصل ہے اور اس طرح کا بھید بھاؤ لوک راج اور بالغ متادھیکار کے اصول کے خلاف ہے ایک بے بنیاد بات ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس طرح کی سب انوکھی اور ان ہونی باتیں پچھمی سبھیتا اور مرکزیت کی ہی پیداوار ہیں۔ ہم نے اِنھیں بنا ان کی اصلیت اور نتیجوں پر دھیان دیئے راج کاج کے بہاؤ میں پڑ کر نقال کی طرح نقل کر لیا ہے۔ جہاں تک حق کا سوال ہے دنیا میں ہر آدمی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بڑھئی بن سکے یا بھنگی

بن سکے پر جو آدمی بھی اس حق کو کام میں لانا چاہے گا اُسے پہلے بڑھئی یا بھنگی کا کام سیکھنا ہوگا۔ تبھی وہ کسی بڑھئی خانے میں یا میونسپلٹی کے صفائی کے محکمے میں بھرتی کیا جاسکے گا۔ کیول کسی بات کا حق ہونا جب تک ہم میں وہ حق ادا کرنے کی یوگیتا نہ ہو ہمیں اس کام کے لئے تنخواہ پانے اور طرح طرح کے خرچے اور بھتے لینے کا حق دار نہیں بنا دیتا۔ پچھلی سبھیتا حقوں اور ادھیکاروں کا دور اپنے ساتھ لائی ہے۔ ہر حق کے مقابلے کے کوئی فرض بھی ہوتے ہیں، یہ سوال ہی اس دور میں نہیں پیدا ہوتا ہم سمجھتے یہ ہیں کہ ہم سب جنتا کے نمائندے ہیں اور اس حیثیت سے ملک کے بادشاہ بھی ہیں۔ انگلستان کے قانون کے انوسار بادشاہ کے حق ہی حق ہوتے ہیں، اس کا کوئی فرض نہیں ہوتا۔ پھر اگر وہاں کے اس رواج کا سایہ ہم پر بھی پڑ رہا ہے تو اس میں اچنبھا کیا ہے۔

باپو کے ودھان میں مرکزیت کیول کاج کاری بہلو (Exective) تک ہی رکھی گئی ہے۔ راج کاج سے اگر قانون بنانے کا حق لے لیا جاوے تو عملی کار بار کے لئے ڈکٹیٹری سب سے اچھا طریقہ ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہمیں ڈکٹیٹری کو نیتک بندھنوں میں جکڑ دینا ہوگا۔ جیسے باپو نے اپنے ودھان میں جکڑا ہے۔ جہاں تک ودھان کی مرکزیت کا سمبندھ ہے وہاں تک باپو نے اس ودھان میں اس کے لئے کوئی قاعدے یا قانون نہیں رکھے۔ ایسا کرنے سے ان کا بڑھنا اور پھیلنا رُک جاتا۔ باپو نے انھیں بڑھنے اور پھلنے پھولنے کی پوری سودھا دی ہے اور اپنی سمے سمے کی ضرورتوں اور انوبھوؤں کے انوسار اپنے رُوپ کو بدلنے اور سُدھارنے کی انھیں آزادی دی ہے۔ انھوں نے ان پنچائتوں کو اور ان کے گروہوں کو مرکزی حکومت سے اپنے سمبندھ کو بھی ضرورت

کے انوسار طے کرنے اور بدلتے رہنے کے لئے آزاد چھوڑا ہے۔ یہ بات بھی ضروری تھی۔ سچے لوک راج کی ضرورتوں کو آجکل کے طریقے اور سنستھائیں پورا نہیں کر سکتیں۔ ہمیں آج کل کی ان سب سنستھاؤں اور قاعدے قانونوں کو نیتک بنیادوں پر پھر سے نئے نئے روپوں میں تعمیر کرنا ہوگا۔

اوپر ہم نے باپو کے ودھان کے کچھ پہلو یہ دکھانے کے لئے دیئے ہیں کہ باپو کی نگاہ ہر چیز پر کتنی رچناتمک اور شدھار کی ہوتی تھی۔ اب ہم ان کے ودھان کے اس حصے کی طرف دھیان دلاتے ہیں جو سیدھے راج کاج سے سمبندھ رکھتا ہے۔

اس میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ ان پنچائتوں کا باہری دُنیا سے کیا سمبندھ ہوگا یا یہ کہ ان میں مرکزیت کس روپ میں اور کس پیمانے پر ہوگی۔ مرکزیت خود کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ کیول اس سے سوالمبن کے اُصول میں کمی نہیں آنی چاہیئے۔ سوالمبن کی اصلی صورت یہ ہے کہ ایک طرف تو ہمارا جیون دوسرے کسی کو بے جا نقصان نہ پہنچا سکے اور دوسری طرف جو باتیں ہمیں نیتک یا آرتھک نقصان پہنچاتی ہیں ان سب سے اپنے کو بچا کر رکھا جاوے۔ اسی بُنیادی سچائی پر ان پنچائتوں کے سارے باہر کے سمبندھ قائم ہوں گے۔ جہانتک ان پنچائتوں کے آپس کے سمبندھ کا سوال ہے سو پنچائتوں کے پچاس پہلے درجے کے نیتا مل کر اپنا سب کا ایک نیتا اور پھر اسی طرح کے دوسرے درجے کے نیتا مل کر اگر چاہیں تو اپنا سب کام ایک نیتا یا سردار چن سکتے ہیں اور اسی کے ادھین اپنا سارا کام کر سکتے ہیں۔ اس طرح اگر ایک ضلعے میں دو ہزار گاؤں ہوں اور ہر گاؤں میں ایک پنچائت

ہو تو کل ضلعے میں بیس دوسرے درجے کے نیتا ہوں گے یہی مل کر ضلعے کی کارکن کمیٹی کا روپ لے لیں گے اور چاہیں گے تو اپنے میں سے ایک کو اپنا سردار یا مکھیا چن لیں گے۔ یہ کمیٹی سوادلمبن کے اصول پر اپنی ماتحت پنچائتوں کی سیوا کرے گی یعنی ان کے اس طرح کے مال کے لانے لے جانے، خریدنے بیچنے اور ادل بدل کرنے میں انھیں مدد دے گی جو ایک جگہ کے لئے ضروری اور دوسرے کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ یہ ادل بدل اس اصول پر ہوگا کہ اس میں کسی کو بھی بے فائدہ یا بیجا نقصان نہ پہنچے۔ اس کمیٹی کے اور سب فیصلے بھی برابری اور بھائی چارے کے اصول پر ہوں گے، لاگ ڈانٹ یا کسی کے نجی فائدے کے آدھار پر نہیں۔ اسی طرح ہر صوبے کی پنچائتیں اگر چاہیں گی تو سارے ہندستان کے لیے اپنی مرکزی کمیٹی بنالیں گی۔ یہ سارا سنگٹھن بہت ہی سیدھا اور سرل ہوگا۔ اگر اس کے چلنے میں کوئی کٹھنائی ہوگی تو تجربے کی روشنی میں ان کے حل نکال لئے جاویں گے۔ ان پنچائتوں کے پاس کوئی قانونی حق یا راج کی دی ہوئی کوئی دولت یا طاقت نہیں ہوگی۔ ان کا جو کچھ بھی اثر لوگوں پر ہوگا وہ کیول ان کی نسوارتھ سیوا کے کارن ہوگا۔ جب انھیں کوئی ادھیکار یا پد راج کا جی چناؤ سے یا راج کی طرف سے یا کوئی اس طرح کی نوکری نہیں ملے گی تو ان میں آپس میں کوئی لاگ ڈانٹ، بیر یا کھینچا تانی بھی آج کی طرح پیدا نہ ہو سکے گی۔

جہاں تک ان پنچائتوں کا سمبندھ آج کل کے مرکزی راج سے ہے ان کی سدا یہ کوشش رہے گی اور اس کے لیے وہ ہر طرح کے جائز طریقے کام میں لاویں گے کہ مرکزی راج ان کی طرف اور دوسروں کی طرف سوادلمبن کی نیتی پر چلے۔ ان پنچائتوں کی نگاہ میں دنیا کا ہر

دیش ویسی ہی ایک اکائی ہوگا جیسی اپنے دیش میں ایک پنچائت اکائی ہے۔ ان کی یہ بنیادی مانگ ہوگی کہ ہر دیش دوسرے دیش کے ساتھ سواولمبن کے اصول پر سمبندھ جوڑے۔ جو دیش جس بات میں اس نیتی کو نہ مانیں گے ان کے ساتھ ہمارا دیش ان باتوں میں سہ یوگ نہ کرے گا۔ آج کل ہر دیش اور ہر گروہ ایک دوسرے کو چوسنا اور ایک دوسرے سے بے جا فائدہ اٹھانا اپنا حق اور ایمان سمجھتا ہے۔ اس حالت کو دیکھتے ہوئے سواولمبن کی نیتی بڑی انقلابی نیتی ہے۔ اُسے ماننے کے لئے کوئی ملک بھی آسانی سے تیار نہ ہوگا۔ پر راستے کی کٹھنائیاں ان پنچائتوں کو ان کے سیدھے راستے سے نہ ہٹا سکیں گی۔ انھیں کٹھنائیوں کو دور کرنے کے لئے دُنیا میں ان پنچائتوں کا جنم ہوا ہے۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ پنچائتیں اپنی ان ورودھی شکتیوں کو چاہے وہ مقامی ہوں یا مرکزی، دور کرنے کے لئے کیا کیا راستے نکالیں گی۔ اس کا عملی طریقہ اس ودھان میں دیا ہوا ہے۔ ہم اُسے نیچے دیتے ہیں۔

اس سمے ہمارے اس صوبے (یو۔ پی) کی حکومت گاؤں گاؤں میں پنچائتیں قائم کر رہی ہے۔ باپو کی پنچائتیں انھیں پنچائتوں کے ساتھ ساتھ قائم ہوں گی۔ سرکاری پنچائتوں کے پاس ساری قانونی شکتی، ادھیکار اور سادھن ہیں۔ باپو کی پنچائتوں کے پاس کیول اپنے سیوکوں کی نسوارتھ سیوا اور مانو پریم کی شکتی ہے۔ سرکاری پنچائتیں سرکار کی نیتی کو چلانے میں مدد دیں گی جیسے یہ کہ گاؤں میں پارلیمنٹی راج کے چاروں چرن جن کی ہم نے اوپر چرچا کی ہے اور ان چرنوں پر دھڑ اور سر کے روپ میں مشین راج اور فوج راج قائم ہوں۔

باپو کی پنچائتوں کی نیتی سگریوا اور سوا ولمبن ہوگی جس کی بنیادی غرض گاؤں کے جیون کو پچھمی سبھیتا اور پارلیمنٹی راج سے آزاد کرنا ہے. اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری پنچائتیں اور باپو کی پنچائتیں دو الگ الگ شکتیاں ہیں ایک بھوتِک (مادّی) اور ایک نیتک (اخلاقی) یہ دونوں گاؤں کو اپنے اپنے مالی، سماجی اور راج کاجی سانچوں میں ڈھالنا چاہیں گی۔ اوپر سے دیکھنے میں یہ دونوں پنچائتیں گاؤں کی حکومت چاہیں گی اور گاؤں کے سادھنوں پر قبضہ پاکر اپنے اپنے ڈھنگ سے گاؤں کا کام چلانا اور اس کی حالت سُدھارنا چاہیں گی. پر اصلیت یہ نہیں ہے. اِن دونوں طرح کی پنچائتوں کے مقصدوں اور کام کے طریقوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سرکاری پنچائتیں سرکار کے دھن اور اُس کے ادھیکار کی مدد سے جنتا کو مرکزی حکومت کے بس میں رکھ کر اس کو حکومت کی مرکزی اور نیتی پر چلانا چاہتی ہیں۔ باپو کی پنچائتیں اپنے گاؤں کو سوا ولمبی بنا کر اُسے ہر طرح کے باہری دباؤ سے پوری طرح آزاد رکھیں گی، اور اس آزادی کے حاصل کرنے کے لئے گاؤں والوں میں جاگرتی اور شکتی پیدا کریں گی۔ وہ جنتا کو گاؤں کا سچا راجہ اور گاؤں کی پنچائت کو کسی باہری راجہ کا نہیں اسی راجہ کا سچا سیوک بنائیں گی.

اس مقصد کے حاصل کرنے کا باپو نے ان پنچائتوں کے سامنے ایک سیدھا سادا راج کاجی راستہ رکھ دیا ہے، اُسے ہم نیچے دیتے ہیں ـــــ

"ہر کام کرنے والا اِس بات کو دیکھے گا کہ جن لوگوں کے نام قانونی دوٹروں کے رجسٹر میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں اُن کے نام اس

رجسٹر میں باضابطہ درج کر لئے جاویں۔

"ہر کام کرنے والا ان لوگوں کو جن میں ابھی تک ووٹر بننے کی قانونی یوگیتا نہیں ہے اس بات کے لئے بڑھاوا دے گا کہ وہ ووٹ کا ادھیکار پانے کے لئے اپنے اندر اُس یوگیتا کو پیدا کریں۔

سب جانتے ہیں کہ پارلیمنٹری حکومت پر قبضہ پانے کا قانونی طریقہ چناؤ میں کھڑے ہونا اور کامیابی حاصل کرنا ہے۔ یہ چناؤ دیش کو اُن خانہ جنگیوں سے بچانے کے لئے ہے جو طرح طرح کی راج کاجی پارٹیاں راج گدی چھیننے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ کرتی ہیں پیدا ہوا تھا۔ ہنسا بھرے انقلابوں سے بچانے کا یہ اہنسا کا ایک طریقہ تھا۔ پر پچھمی سبھیتا نے راج کاج کو سدا چار سے پوری طرح آزاد کر دیا اس لئے اوّل تو اُن چناؤں میں خود حد درجے کی ہنسا ہو گئی، دوسرے چناؤ کے رہتے ہوئے بھی راج کاجی پارٹیاں جبری اور ہنسا بھرے انقلابوں کے طریقے برابر کام میں لاتی رہتی ہیں۔ اس لئے اگر چناؤ ایمان اور انصاف کے ساتھ کیا جا سکے تو اس سے اچھا ڈھنگ دیش کو پارٹی بازی کی مصیبتوں اور گھریلو لڑائیوں کی بربادیوں سے بچانے کا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ باپو نے اوپر کی دونوں دفعاؤں میں اپنی پنچائتوں کا دھیان ووٹروں کی طرف دلایا ہے۔ اگر ایک بار ووٹروں کے دل میں یہ جم جاوے کہ جنتا کے سچے نمائندے اور رکشک ہم ہی ہیں اور اچھی بری حکومت بنانے کی ساری ذمہ داری ہمیں پر ہے اور ہمیں اس ذمہ داری کو کسی پارٹی کے بھلے کے لئے نہیں بلکہ کل گاؤں کے بھلے کے لئے پورا کرنا چاہیئے تو آج کل کے چناؤ کا روپ بالکل بدل سکتا ہے۔ بربادی کا ذریعہ ہونے کی جگہ یہی چناؤ ابھ

اور رچنا کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ووٹروں میں اس ذمہ داری کی سمجھ پیدا کرا دینے کے ساتھ ساتھ ان پنچائتوں کو اپنے علاقے کی جنتا میں اتنی جاگرتی اور طاقت پیدا کر دینی چاہئے کہ وہ کسی پارٹی کو کسی ووٹر پر ناجائز دباؤ نہ ڈالنے دیں۔ یہ پارٹیاں جنتا کی مدد اور سہیوگ سے ہی طاقت پکڑتی اور پھلتی پھولتی ہیں۔ یہ جنتا کو طرح طرح کے دھوکے دے اور جھوٹے وعدے کر کے الگ الگ ٹکڑوں میں بانٹ دیتی ہیں اور پھر ایک ٹکڑے کو دوسرے سے لڑاتی رہتی ہیں۔ گاؤں کی جنتا ایک ہے۔ اس لئے اس میں کوئی بھی جھگڑا بربادی ہو اصل میں بربادی گاؤں اور جنتا ہی کی ہے۔ باپو کی پنچائتیں اسی بات کی سمجھ ووٹروں اور جنتا میں پیدا کریں گی۔ چونکہ چناؤ میں ان کا کوئی اپنا فائدہ نہ ہوگا اس لئے جنتا ان کی بات سنے گی اور اس پر عمل کرے گی۔ اگر اس عمل کرنے میں اندر کی یا باہر کی کوئی شکتی جنتا کو زبردستی دبانے کی کوشش کرے گی تو یہ پنچائتیں جنتا کو پیچھے ہٹا کر اپنا سینہ سامنے کریں گی۔ یہی راستہ سچے ستیاگرہی کا راستہ ہے۔ اسی سے گاؤں میں وہ شکتی اور وہ ایکا پیدا ہو جائے گا جس کا کوئی ورودھی شکتی مقابلہ نہ کر سکے گی۔ اس طرح ووٹر اور چناؤ دونوں جنتا کے ہاتھ میں ہو جائیں گے اور جنتا نیک اور سچے لوگوں کو چناؤ میں جتا سکے گی جو چنے جانے کے بعد بھی جنتا کے سچے سیوک بنے رہیں۔

آج کل چناؤ میں ووٹر بے چارے امیدواروں اور ان کی پارٹیوں کے بہکاوے، دباؤ، رشوت، جھوٹے وعدوں یا پارٹی بازی کی آندھیوں میں آ کر ووٹ دیتے ہیں۔ جنتا کو یہ سمجھنا ہوگا کہ آخر یہ

پارٹیاں کس کے روپیۓ اور کس کے بَل پر چل رہی ہیں ، اور جس کے بَل پر چل رہی ہیں اُسے ہی ٹکڑے ٹکڑے کرکے مٹا رہی ہیں۔ اگر جنتا سنگٹھن کرکے اِن سب پارٹیوں سے اسہیوگ کرلے تو یہ پارٹیاں بالکل بے بس اور بے کار ہوجائیں اور جنتا ان سب کھینچا تانیوں اور بربادیوں سے بچ جاوے۔

اِس سمے جو نیک اور اچھے لوگ ہیں اور جن پر پُرانی سبھیتا اور دین دھرم کا اثر ابھی کچھ باقی ہے وہ اپنے آس پاس بُرائی اور بربادی کے اِس طوفان کو دیکھ کر دُکھی ہوتے ہیں اور چُپ ہوجاتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ایک بار اس بات کو سمجھ لیں کہ پچھمی سبھیتا کے اِس ننگے ناچ کو اپنے علاقے میں سے مٹا دینا ان کا دھرم ہے اور ان میں اس کی شکتی بھی ہے تو وہ کچھ ہی دنوں میں اس کا خاتمہ کرسکتے ہیں۔

اس سمے کی سب سے بڑی کٹھنائی یہ ہے کہ نیک اور اچھے لوگ اپنے اپنے علاقوں کے بہکے ہوئے نا سمجھ اور غلط راستے پر پڑے ہوئے لوگوں سے اپنے علاقے کی رکشا نہیں کرسکتے۔ اس کا کارن یہ ہے کہ ان نیک اور اچھے لوگوں کا کوئی سنگٹھن نہیں ہے۔ دوسری طرف غلط راستوں پر پڑے ہوئے لوگوں کا سب کا اپنا اپنا سنگٹھن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شروع میں اِن نیک اور بے لاگ لوگوں کو نقصان اُٹھانا پڑے۔ پر اِس نقصان کو سہہ لینا ہی اِن کا دھرم ہے۔ اس طرح کا تیاگ جنتا کو بڑی سے بڑی بربادی سے بچا لےگا۔ کانگریس کے تھوڑے سے تیاگ نے بڑی سے بڑی حکومت کے پاؤں اُکھاڑ دیئے۔ اس لئے ضرورت اس سمے کیول اس بات کی ہے کہ ہر علاقے کے اور ہر شہر کے نیک، سچے اور با اثر جو آج کل کی حالت اور پارٹی

بازیوں سے پریشان اور دکھی ہوں اور اس سے دیش کی بربادی کو دیکھ رہے ہوں ایک بار اپنا سنگٹھن کر کے کھلے طور پر اور ہمت کے ساتھ اس برائی کا مقابلہ کریں پھر وہ دیکھیں گے کہ تھوڑے ہی دنوں میں ملک کی حالت بدل جاوے گی۔

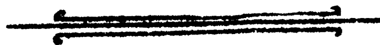
ہر علاقے میں اسی طرح کے سنگٹھن کی ضرورت ہے۔ اس سنگٹھن کے لوگ اپنے آپ کو چناؤ کی لاگ ڈانٹ اور پرلوبھنوں سے دور رکھیں گے۔ وہ خود حکومت کی گدی پر نہ بیٹھیں گے۔ وہ ادھیکار کے دائروں سے خود الگ رہ کر جنتا کے جیون کی اور ان دائروں کی بھی رکشا کریں گے۔ اس سے دیش میں اور ہر علاقے میں ایک ایسی نیتک شکتی پیدا ہو جائے گی جو راج شکتی سے الگ رہتے ہوئے بھی اس شکتی کو اپنے سامنے جھکا سکے گی اور اسے دیش کا سچا سیوک بنا سکے گی۔ باپو کا ودھان اسی الگ اور برابر کی گورنمنٹ کا سندیش دیش کے سامنے لایا ہے۔

اس ودھان کی پنچائتوں کا کام اپنے اپنے علاقے میں اسی طرح کے سنگٹھن پیدا کرنا ہے۔ اپنی سیوا سے علاقے کے بھلے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر سگر سیوا، سوا دلمبن، ستیہ اور اہنسا کی ہوا پیدا کر دینا ہے، جو آج سے سو برس پہلے ہمارے گاؤں میں موجود تھی۔ ان پنچائتوں کا کام ہوگا کہ ووٹروں کی بابت جو ہدایت باپو نے دی ہے اسے سامنے رکھ کر اپنے علاقے کے ووٹروں کو اپنے سنگٹھن کا ایک ایسا حصہ بنا لیں جسے راج کاجی پارٹیاں ان سے الگ نہ کر سکیں۔ پھر ان ووٹروں کے ذریعے سے، خود باہر رہتے ہوئے، ایسے سچے اور نیک سیوکوں کو چناؤ

میں کامیاب بنوادیں جن پر جنتا کو یہ پورا اعتبار ہو کہ وہ چنے جانے کے بعد جنتا کی سچی سیوا کریں گے۔

گاؤں کی ان پنچائتوں میں اتنا ہی نہیں، انھیں جب چاہیں ان سیوکوں کو ہٹا دینے کا ادھیکار بھی اپنے ہاتھ میں لینا ہوگا۔ جب یہ سب باتیں ہوجائیں گی تب ہی وہ اپنے علاقوں کو پرانی پنچائتوں کی طرح پوری آزادی دے سکیں گی۔ تبھی وہ اپنے علاقے کی آرتھک نیتک اور سماجی آزادی کو پچھمی سبھیتا کی غلامی سے بچا سکیں گی۔ اسی مہان اُدیش کے لئے باپو نے یہ ودھان اور یہ لوک سیوک سنگھ بنایا ہے۔ اور ان کا یہی سنگٹھن دیش کی وہ پیپرلل گورنمنٹ ہوگی جسے باپو کا ودھان قائم کرنا چاہتا ہے۔

ہر انقلاب کے پیدا کرنے کے لئے ایک مقصد، ایک سنگٹھن، ایک پروگرام اور ایک ہتھیار اور ان کے ساتھ ساتھ ایک گروہ اور ایک شکتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے ودھان میں باپو نے یہ ساری باتیں رکھ دی ہیں۔ ہم نے پچھلے حصوں میں ودھان کے مقصد، اس کے سنگٹھن، اس کے پروگرام اور اس کے ہتھیاروں کا پورا نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگلے حصے میں ہم اس شکتی اور ان سیوکوں کی چرچا کریں گے جن کے سپرد باپو کے اس ودھان کو چلانے اور کامیاب بنانے کی ذمہ داری ہے۔



آتما کی طاقت

اب ہم اس شکتی اور ان سیوکوں کا چرچا کریں گے جن کی مدد سے باپو اپنے مقصد کو پورا کرنا چاہتے تھے اور جن کا انھوں نے اپنے دھیان میں ذکر کیا ہے۔

پہلے ہم شکتی کو لیتے ہیں۔ باپو ستیہ اور اہنسا میں اور اُن سے پیدا ہونے والے آتما کے بَل میں اٹل وشواس رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ پچھمی سبھیتا کے اثر نے ہمیں اتنا چکا چوند کر دیا ہے کہ اپنی سبھیتا کی اچھائیوں اور اس کی نیتک اور آتمک شکتیوں کی طرف ہماری نگاہ بھی نہیں جاتی۔ ہماری جھونپڑیوں کا محلوں میں بدلتے جانا، ہمارے چھکڑوں کا ریل گاڑیوں کا رُوپ لے لینا، ہمارا چڑیوں کی طرح آکاش میں اڑتے پھرنا یہ سب ہماری نگاہ میں سبھیتا اور اُنتی کے ثبوت ہیں۔ ہم یہ نہیں دیکھتے کہ جتنا جتنا اس طرح کی شکتیوں اور سادھنوں کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اتنا اتنا ہی لڑائیاں، مار کاٹ، بربادی اور طرح طرح کی کھینچا تانی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہتھیاروں، ہوائی جہازوں، زہریلی گیسوں اور ایٹم بموں نے ہمارے دلوں اور دماغوں پر ایسی گہری چھاپ ڈال دی ہے کہ جس سے ہماری عقل گم اور ہماری آنکھیں دُھندھیا گئی ہیں۔ یہاں تک کہ ہم ان سب چیزوں کے اِن بُرے نتیجوں کو بھی نہیں دیکھ پاتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ پچھمی سبھیتا کی ساری شکتی اور اُن کے راج کا سارا آدھار فوجوں اور ہتھیاروں پر رہے۔ پر جہاں تک امن چین اور شکھ شانتی کا سوال

ہے وہاں تک خود یورپ کی قوموں کی آج کل کی حالت رو رو کر دنیا کو اپنی دکھ بھری کہانی سُنا رہی ہے اور ان فوجوں اور ہتھیاروں کا سہارا بالکل دھوکے کی ٹٹی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہم نے باپو کے ساتھ نیائے نہیں کیا۔ باپو کا دعویٰ تھا کہ ستیہ اور اہنسا میں ویسی ہی شکتی ہے جیسی دُنیا کی کوئی اور شکتی۔ ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ اس شکتی پر لگ بھگ پچاس برس تجربے کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ ہم نے اُن کی ان باتوں کی طرف کبھی گہرائی سے دھیان نہیں دیا۔ پچھم کی ڈراؤنی اور گھاتک شکتیوں کے سامنے ہمیں باپو کی اہنسا سدا بے کار محسوس ہوئی۔ ہم نے کبھی ٹھنڈے دل سے اتہاس اور تجربے کی روشنی میں ایک سچے سائنس والے کی طرح ان دونوں طرح کی شکتیوں اور ان کے نتیجوں کو تول کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم بُدھی واد اور دلیلوں کی بات کرتے ہیں پر جہاں تک نیکی اور بدی کا سوال ہے ہم پچھمی سبھیتا کی دکھاؤنی ٹیپ ٹاپ اور بھڑک کے موہ جال میں اسی طرح پھنس گئے ہیں جیسے ہمارے ہی دیش کے بہت سے ریت رواج کے پجاری اپنی آج کل کی کھوکھلی روڑھیوں اور جھوٹی ہٹ دھرمیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس موہ جال میں ہم اتنے گہرے پھنس گئے ہیں کہ خود اپنے اور اپنے دیش کے حال کے تجربوں سے بھی ہم فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ ہمارے اچھے اچھے بُدھی وادی باپو کو جادوگر اور اُن کے کاموں کو جادو یا آدمی کی بُدھی سے باہر کی چیز کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ چیزوں کو اس طرح سے دیکھنا نہ سائنس ہے اور نہ بُدھی واد۔ ہم باپو کی صلاحوں کو غیر عملی اور ان کے

وچاروں کو کیول آدرش سمجھتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمیں یہ بات بڑی عقل کی معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے دیشوں کے پرانے کنڈم کئے ہوئے جہاز اپنی رکشا کے لئے خریدیں اور دیش کی گاڑھی کمائی کو اسی طرح کے ہوائی جہازوں، توپوں، بموں اور بندوقوں کے خریدنے اور بنانے کی کوششوں میں لٹا دیں۔ ہم اپنی کھلونا فوج بنانے میں اتنے مگن ہیں جتنے اپنے ریتی کے محل بنانے میں ہوتے ہیں۔

ستیہ اور اہنسا یا کسی بھی نئی چیز میں کسی کو کتنا بھی گہرا وشواس کیوں نہ ہو اور اس وشواس کو وہ کتنے ہی زوردار شبدوں میں کیوں نہ پرکٹ کرے، اور کتنی ہی زبردست دلیلیں کیوں نہ دے، دنیا پر اس کا اس سمے تک کوئی اثر نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے اصولوں کو دنیا کے سامنے کسی عملی صورت میں پیش نہ کرے۔ تبھی وہ دنیا کو اس کے آج کل کے غلط راستے سے ہٹا کر ٹھیک راستے پر لیجانے کی آشا کر سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا راستہ جو چالو راستے سے زیادہ سیدھا اور اچھا ہو دنیا کے سامنے آوے اور دنیا کو اسے دیکھنے اور آزمانے کا اوسر ملے۔ اس کے بعد اگر لوگوں کو تسلی ہو جاوے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ دھیرے دھیرے اپنے پرانے راستے کو چھوڑ کر نئے پر نہ چلنے لگیں۔

اسی لئے باپو نے اپنے پروگرام کو بحثوں اور دلیلوں کے ساتھ پیش کرنے کے بجائے اسے عملی روپ دینا، اسے پریوگوں کی کسوٹی پر کسنا اور اس پر کھلے عمل کر کے دکھانا ادھک اُچیت سمجھا اور اپنی ساری شکتی اس میں لگا دی۔ ہم یہاں باپو کی سب کھوجوں اور ان کے پریوگوں کے وستار میں نہیں جا سکتے۔

اُن کے جیون کے ان پہلوؤں پر بھی بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن سے جو چاہے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہاں ہم سرسری طور پر باپو کے کچھ پریوگوں کے نتیجوں پر ایک نگاہ ڈالیں گے۔

جس شکتی کو باپو آدمی کو سُدھارنے کے لیے تلواروں کی جگہ دینا چاہتے تھے وہ شکتی مانو پریم کی شکتی ہے۔ نیتی شاستر اور آتم ودّیا کے بڑے بڑے جانکاروں نے ہزاروں سال سے اس شکتی کا پتہ لگا رکھا تھا۔ جس طرح لوگ مادّی طاقتوں کی چھان بین میں لگے رہے ہیں اسی طرح روحانی طاقتوں کے سمجھنے اور جاننے والے ان طاقتوں کی چھان بین میں بھی اسی لگن کے ساتھ ہمیشہ لگے رہے ہیں۔ انھیں اپنی اس کھوج میں اتنی ہی کامیابی ملی ہے جتنی مادّی شکتیوں کی چھان بین کرنے والوں کو۔ ان روحانی شکتیوں کے جانکار اپنی کھوجوں سے انسانی دُنیا کو ویسے ہی فائدہ پہنچاتے رہے ہیں جیسے مادّی شکتیوں کے پنڈت اپنی کھوجوں سے۔ انسانی دُنیا کا اتہاس جب اس نگاہ سے لکھا جاوے گا تب ہمیں یہ دکھائی دے گا کہ روحانی طاقت اور پریم کی طاقت کے اصلی پریوگ سے انسانی دُنیا کو جتنا فائدہ پہنچا ہے اتنا مادّی ایجادوں سے نہیں پہنچا۔ یہ ایک پکی بات ہے کہ دھیرے دھیرے مانو پریم کی شکتی مانو جیون کے آرتھک، نیتک اور سماجی دائروں میں تلوار کی شکتی پر وجے پاتی جارہی ہے اور دھیرے دھیرے بڑے سے بڑے پیمانوں پر اس نے تلوار کی شکتی کو اِن دائروں سے نکال کر ان کی جگہ لے لی ہے۔ اتہاس اس بات کو ثابت کردے گا کہ جسے ہم کلچر اور سنسکرتی کہتے ہیں وہ اصل میں دھیرے دھیرے اہنساتمک پروگراموں،

ریت رواجوں اور قانونوں کا ہنسا تمک ریت رواجوں، پروگراموں اور قانونوں کی جگہ لے لینا ہے۔

پچھمی سبھیتا کے اُٹھان کے بعد سے یہ صورت کچھ تھوڑی سی بدل گئی۔ پر اتہاس ہمیں بتاتا ہے کہ اس دور میں بھی آدمی جانے یا انجانے اسی شکتی کو بڑھانے اور اس کا سنگٹھن کرنے کو اپنا اصلی لکش یا مقصد بنائے رہا۔ پھر کیا کارن ہے کہ یہ شکتی تلوار کی شکتی پر آخری وجے حاصل نہ کر سکی اور آج تلوار ہی اس شکتی پر چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے کچھ کارن ہم نیچے دیتے ہیں ـــــ

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ تلوار کا اس شکتی کو ہرا دینا یا دبا دینا کیول ایک سطحی اور چند روزہ چیز ہے۔ بڑے درجے تک، یہ ہماری نگاہ کا دھوکہ ہے۔ یہ صورتیں اس واسطے پیدا ہو گئی ہیں کہ پچھلے دو تین سو سال کے اندر ہماری دنیاوی یا مادّی ترقی ہماری نیتک اور روحانی ترقی کی نسبت زیادہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھی ہے۔ اس سے پہلے ہماری دینی دھرمی اور نیتک سنستھائیں سنساری انتی کو سدا پیار اور روحانیت کے ادھین رکھ کر مانو جیون میں ایک بہت اچھا اور تندرست سمتول بنائے رکھتی تھیں۔ پچھم کے اُٹھان نے اس سمتول کو برباد کر دیا۔ اسی لئے تلوار کی شکتی مانو پریم کی شکتی پر حاوی دکھائی دینے لگی۔ پر اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ سنساری رُکاوٹیں جو آدمی کو انسانی بھائی چارے اور لوک راج کے سانچے میں ڈھلنے سے روکتی تھیں اتنی تیزی کے ساتھ اور اتنی اچھی طرح دور ہوتی جا رہی ہیں اور ہو گئی ہیں کہ جو پچھلے ہزاروں سال میں بھی نہ ہوئی تھیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ لڑائی اور مار کاٹ کے طوفان

آدمی کے دل اور دماغ کو ہلا کر تلوار کے خطروں اور اس کی بربادیوں سے ڈرا ڈرا کر بھونچکا کر رہے ہیں۔ لوگ اس طوفان سے اس حد تک گھائل اور پریشان ہو گئے ہیں کہ دنیا کے اتہاس میں پہلی بار وہ سچے دل سے ایسی صورتوں کی کھوج میں ہیں جو آدمی کو کسی طرح آج کل کی بربادیوں سے بچا سکیں۔

(۳) تیسرے دنیا کی وہ نیتک اور روحانی شکتیاں جو تھوڑے دنوں کے لئے تلوار کی چکا چوندھ سے دب گئی تھیں، ان میں اب دوبارہ ایک نئی جان، نئی طاقت اور نیا سنگٹھن پیدا ہو رہا ہے۔ اب اگر ایک بار ان شکتیوں کا سنگٹھن ہو گیا تو تلوار کا دور ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیگا۔

(۴) چوتھے باپو کے جنم اور ان کی کامیاب کوششوں نے ایک نیا پروگرام اور نیا ہتھیار دنیا کے سامنے رکھ دیا ہے: یہ پروگرام اور یہ ہتھیار تھوڑے ہی دنوں میں نیتک اور روحانی سنگٹھنوں کو اہنسا کے طریقوں پر تلوار کی شکتی سے سیدھے ٹکر لینے کے لئے تیار کر دیں گے، اسی کے ساتھ ساتھ جو لوگ اب تک اہنسا کے طریقوں پر اس لئے ٹوٹے ہیں کہ وہ اسے آدمی کی بھلائی، ترقی اور رکشا کا اکیلا راستہ سمجھتے ہیں، کسی ایسے دوسرے راستے کے سامنے آتے ہی جس سے انھیں بھلائی کی کچھ امید دکھائی دے گی، خود بخود اس کی طرف جھک جایا کریں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ دنیا نے تلوار کے استعمال کو کیوں جاری رہنے دیا۔ اس کا کارن راج کاجی اور آرتھک ہے۔ تلوار کسی دیش یا گروہ میں کیول سنہار ہی کا کام نہیں کرتی تھی بلکہ رکشا کا کام بھی کرتی تھی۔ اس میں دو دائرے اس کے سپرد ہوتے تھے۔ ایک اندر کی رکشا اور دوسرے باہر سے رکشا۔ اتہاس بتاتا ہے کہ

جہاں تک اندر کی رکشا کا سوال تھا وہاں تک مانو پریم کی شکتی کے جانکاروں نے ہر دیش اور ہر سبھیتا میں ایسے ایسے طریقے پیدا کر لئے کہ جنھوں نے دھیرے دھیرے شہری جیون سے فوجوں کی ضرورت کو بالکل مٹا کر اُسے غیر فوجی پولیس اور عدالتوں کے سپرد کر دیا۔ پہلے ہر آدمی کو اور ہر گروہ کو اپنی رکشا کا خود ادھیکار ہوتا تھا۔ اس ادھیکار کو کام میں لانے میں ہر آدمی عام طور سے ہتھیاروں سے کام لیتا تھا یا اپنے مددگاروں کو ہتھیار دے کر دوسرے سے خود فیصلہ کر لینے میں مدد لیتا تھا۔ اور یہ بات جائز سمجھی جاتی تھی۔ دھیرے دھیرے اس طرح کی باتیں مانو جیون سے ختم کر دی گئیں۔ ہر آدمی کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی گئی اور سب طرح کے آپسی جھگڑے چکانے کیلئے ہتھیاروں کے استعمال کی جگہ عدالتوں اور دوسری اسی طرح کی سنستھاؤں سے کام لینا سب کے لئے ضروری کر دیا گیا۔ پولیس کی سنستھا بھی اسی طرح فوج کی جگہ ایک غیر فوجی سنستھا بنی جس کا کام شروع میں غیر فوجی ڈھنگ سے شانتی قائم رکھنے میں مدد دینا تھا۔ اس طرح کی پولیس کو بھی عدالتوں کے ادھین رکھ کر ان کے ہنسا کے دائرے کو ایک بہت بڑے پیمانے پر اہنسا میں بدل دیا گیا۔

اگر مانو انتی کا دائرہ کُل مانو جاتی ہوتی اور کُل انسان ایک ہی حکومت کے نیچے ہوتے تو یہ پربندھ اور یہ پروگرام ایسا تھا جس نے آج سے ہزاروں سال پہلے ہی انسانی دُنیا سے تلوار کے استعمال کو مٹا دیا ہوتا۔ پر کٹھنائی یہ تھی کہ جہاں تک راج کاج کا سمبندھ ہے آدمی چھوٹے چھوٹے ہزاروں ایسے ٹکڑوں میں بٹتا رہا ہے کہ جو ایک دوسرے سے بالکل آزاد ہوتے تھے۔ یہ بٹوارہ انہاسی اور بھوگولی

کارنوں سے ہوتا تھا۔ شروع شروع میں ان میں سے ہزاروں گروہ اپنے رہن سہن، کھان پان، دھرم مذہب، پیشوں، سنگٹھن کے طریقوں اور آدرشوں میں بالکل ایک دوسرے سے الگ اور اکثر ایک دوسرے کے خلاف سانچوں میں ڈھل جاتے تھے۔ پھر ایک بار الگ الگ سانچوں میں ڈھل جانے کے بعد قدرتی طور پر اپنے پرانے ڈھانچوں سے ہی چپٹے رہنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے یا اپنے گروہ کے ریت رواجوں سے اتنی محبت کرنے لگتا ہے کہ پھر انھیں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ پھر اسکے لئے ان سانچوں کو بدلنا لگ بھگ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح الگ الگ جاتیاں، الگ الگ قومیں، الگ الگ کلچر اور الگ الگ راشٹر بن جاتے ہیں اور یہ سب الگ الگ حالتوں میں رہ کر الگ الگ سانچوں میں ڈھلے ہوتے ہیں۔ پھر جب اتہاس کے الٹ پھیر یا بھوگولی شکتیاں انھیں ایک دوسرے سے پاس لائیں یا انھوں نے انھیں ایک دوسرے سے ملایا تو ایک دوسرے سے اپنی رکشا کے لئے ان کے پاس تلوار کے سوا اور کوئی سادھن تھا ہی نہیں اسی لئے یہ تلوار کام میں لانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

کچھ ٹکروں کے بعد ایک دوسرے کو جیت کر راج کاجی نگاہ سے یہ ایک دوسرے میں رل جانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد ان کے اندر کے سماجی اور مالی پہلوؤں پر ماتو پریم کی شکتی دھیرے دھیرے اپنا اثر پھیلا کر ان کے آپسی فرقوں کو مٹا مٹا کر انھیں ایک بھائی چارے یا راج کاجی اور مالی برادری میں ڈھالتی رہتی تھی اور ان میں ایکتا اور اک رنگا پن پیدا کرتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ اس طرح کے ملے ہوئے گروہوں میں اپنے آپسی سمبندھوں اور

سنگھٹن کے لئے تلوار کی کوئی ضرورت یا گنجائش باقی نہ رہتی تھی۔ یہی حالت دُنیا کی آج تک باقی ہے۔ اس حالت کو زیادہ بڑی اور پھیلی ہوئی انسانی بنیادوں پر لانے کے لئے اتہاسی اور بھوگولی شکتیاں پہلے سے کہیں بڑے پیمانے پر اپنا کام کر رہی ہیں۔

اب چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی جگہ دُنیا میں بڑی سے بڑی حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی کلچروں کی جگہ بڑی سے بڑی کلچریں اور سبھیتائیں بن رہی ہیں اور بن گئی ہیں۔ پھر بھی ابھی اتنی الگ الگ آزاد حکومتیں اور قومیں باقی ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے اپنی رکشا کیلئے ابھی تک تلوار کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ جب تک یہ ضرورت اس روپ میں باقی رہے گی تب تک آدمی کے دل میں تلوار کو کام میں لانے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کی اِچھا بنی رہے گی اور تب تک تلوار انسانی دُنیا سے مٹ نہ سکے گی۔

پر اب یہ ساری حالت جڑ سے بدل رہی ہے۔ مانو سنسار کی آج کل کی حالت اور اس کے آج کل کے سنگھٹن پر نگاہ ڈالنے سے ہمیں ایک دوسرا پہلو دکھائی دیتا ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جن شکتیوں کی ہم نے اوپر چرچا کی ہے اُنھوں نے مانو سرکار کی حکومتوں، سنسکرتیوں اور قوموں کی تعداد پہلے سے بے حد کم کر دی ہے۔ آج تھوڑی سی بڑی بڑی حکومتیں قائم ہو گئی ہیں اور انکی شکتی اور سادھن اتنے ادھک ہیں کہ ان کے سامنے چھوٹی حکومتوں کی کوئی حقیقت ہی باقی نہیں رہی۔ آج کل مشین کے دور نے ہتھیاروں کو بھی بڑی بڑی مشینوں کا روپ دے دیا ہے۔ اس انقلاب نے چھوٹی حکومتوں کو بڑی حکومتوں کے سامنے بالکل بے بس

اور لاچار کر دیا ہے۔ اِس لئے آج تلوار دُنیا کی چھوٹی قوموں اور ملکوں کی اِس طرح رکشا نہیں کرسکتی اور انھیں آزاد نہیں رکھ سکتی جس طرح پہلے رکھتی تھی۔ اپنی آزادی کو قائم رکھنے کے لئے آج یہ سب کسی دوسری طاقت یا سنگٹھن کے محتاج ہو رہے ہیں۔

اگر ہم آج کی راج کاجی حالت پر نگاہ ڈالیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی مشینوں والے ہتھیاروں اور بڑی بڑی فوجوں کو بڑے سے بڑے پیمانے پر کام میں لانے کی شکتی دُنیا کی تین قوموں کے ہاتھ میں آکر جمع ہوگئی ہے ـــ امریکہ، انگلستان اور روس۔ اِن میں سے ہم امریکہ اور انگلستان کو اس معنی میں ایک ہی حکومت کہہ سکتے ہیں۔ اب جہاں تک سچی راج کاجی آزادی کا سوال ہے وہاں تک دُنیا میں کیول دو ہی حکومتیں پورے طور پر آزاد رہ گئی ہیں ـــ امریکہ اور روس۔ باقی ساری حکومتیں دیکھنے میں آزاد ہیں پر سچ یہ ہے کہ اپنی آزادی بنائے رکھنے کے لئے اِن کا تلوار پر جو بھروسہ تھا وہ ہمیشہ کے لئے مِٹ چُکا۔ ہم ہمیشہ کے لئے اس لئے کہتے ہیں کہ جو بڑی بڑی مشینوں کی شکل کے ہتھیار آج کل کام میں لائے جا رہے ہیں اُن کا بنانا، ترقی دینا اور بڑھانا ایسے سادھن چاہتا ہے کہ جو روس اور امریکہ کے سوائے نہ کسی دوسرے کے پاس ہیں اور نہ اِن حالات میں ہو سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی بھی بڑی حکومت ان دو حکومتوں کی جگہ لے لے تو وہ بھی ان چھوٹی حکومتوں کو سدا اس طرح کے ہتھیار بنانے سے روکے گی۔ نتیجہ یہ کہ اب چھوٹی حکومتیں ہتھیاروں کی مدد سے ہرگز اپنی آزادی یا اپنے ادھیکاروں کی رکشا نہیں کرسکتیں۔ چھوٹی حکومتوں

سے ہمارا مطلب اُن حکومتوں سے ہے جو اس طرح کے ہتھیار بنانے کی دَوڑ میں روس اور امریکہ سے پیچھے رہ گئے ہیں چاہے اُن میں آدمیوں کی گنتی، دیش کا پھیلاؤ یا دوسرے سادھن کتنے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

دوسری طرف دُنیا کی حالت بتا رہی ہے کہ یہ دو بڑی حکومتیں بھی بہت دنوں تک اپنے الگ الگ وجود کو اسی طرح قائم نہیں رکھ سکتیں۔ یا تو یہ صلح اور سمجھوتے کرکے ایک دوسرے سے مل جائیں گی اور یا ایک دوسرے سے لڑکر کوئی ایک دوسری پر قبضہ جمالے گی۔ ایسی صورت میں جیتی ہوئی حکومت ہاری ہوئی حکومت سے اس طرح کے ہتھیار بنانے کا ادھیکار پوری طرح چھین کر اُسے ہمیشہ کے لئے اپنا محکوم اور محتاج بنالے گی۔ اس طرح دُنیا کی حالت بتا رہی ہے کہ ساری انسانی سبھیتا، جہاں تک اُس کا راج کاجی پہلو ہے اور اُس پہلو کا تلوار سے سمبندھ ہے، ایک بڑی حکومت کے ادھین ہونے جا رہی ہیں۔ اس بہاؤ کو کوئی شکتی روک نہیں سکتی۔ اس سچائی کو نہ سمجھنا آج کل کی دنیا کے سب سے بڑے انقلاب سے بے خبر رہنا ہے۔ یہ بات کسی بھی دیش یا راشٹر کیلئے بہت خطرناک ہے۔ ایسی حالت میں ہر سمجھدار آدمی کو یہ ماننا چاہئے کہ اپنے راج کاجی جیون کی رکشا اور آزادی کے لئے تلوار کو اپنا آخری بھروسہ اور سہارا سمجھتے رہنا کسی بھی راشٹر یا راج کے لئے بالکل بے کار اور بے معنی ہے۔

آج دُنیا کی لگ بھگ وہ حالت ہے جو ہندستان کی سنہ ۵۷ کے غدر کے بعد تھی۔ ہندستان کی ساری فوجی اور راج کاجی طاقت ایک

نئی مرکزی حکومت کے ہاتھ میں آگئی ۔ اُس نے دیش کا سنگٹھن اس ڈھنگ پر کیا کہ دیش کے ایک بڑے حصے سے تو دیشی راج بالکل ختم کر دیا اور دوسرے حصے میں دیشی راجاؤں کا راج بنائے رکھا۔ اگر وہ مرکزی حکومت چاہتی تو دیش سے سب دیشی حکومتوں کو ختم کر سکتی تھی پر اُس نے اپنے مطلب کے لئے بہت سی دیشی ریاستوں کو قائم رکھا۔ انھیں ہتھیار رکھنے کی بھی اجازت دی ۔ پر اپنی سلامتی اور اپنے ادھیکاروں کا اُس میں بھی پورا خیال رکھا۔ اُس نے ایک ایسی صورت پیدا کر دی کہ اوپر سے دکھائی دیتے میں تو ہر دیشی ریاست خود مختار تھی اور ایک دوسرے کے خلاف اپنے کو آزاد مانتی تھی اور یہ بھی سمجھتی تھی کہ اُس کی یہ آزادی فوجوں اور تلوار کے بل پر قائم ہے ۔ پر اصلیت میں یہ ریاستیں ہر معنی میں مرکزی حکومت کے محتاج اور غلام تھیں ۔

لگ بھگ سو سال تک ہندستان کی یہی حالت رہی ۔ اِن چھ سو راج کاجی اکائیوں میں کوئی ایسا سنگٹھن یا کوئی ایسی شکتی پیدا نہ ہو سکی جس سے یہ آپس میں مل کر اپنے آپ کو مرکزی حکومت سے سچے معنی میں آزاد کر سکتیں ۔ ایسے ہی دیش کی تیس کروڑ آبادی بھی بہت کچھ اچھا رکھتے ہوئے بھی اپنے میں کوئی ایسی شکتی یا سنگٹھن پیدا نہ کر سکی جس کے بل یہ اپنے آپ کو مرکزی حکومت کی فوجی طاقتوں سے آزاد کر سکتی ۔

آج دُنیا کی بہت سی قومیں جن میں وہ بھی شامل ہیں جن کی تلواروں کا سکہ دُنیا پر جما ہوا تھا جیسے جرمنی اور جاپان، اُس زمانے کے ہندستان ہی کی طرح نِہتّھی ہو گئیں ۔ اُن کی حالت کو دیکھکر

اب اُن کا ہتھیاروں کی مدد سے سچّی آزادی حاصل کر لینا بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ دُنیا ابھی اتنے بڑے انقلاب کے نتیجوں کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتی۔ اس کے لئے کچھ برسوں کی ضرورت ہے۔ پھر بھی جو حالت ہمارے سامنے ہے اُس پر اگر ہم ٹھنڈے دل سے اور بے لاگ ہو کر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ سچ مچ اب دُنیا کی بیچاری نئی صدی حکومتیں تو اپنی آزادی تلوار اور فوجوں کی مدد سے بچا کر نہیں رکھ سکتیں۔

ہمیں اس پہلو کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیئے کہ دُنیا کی ہر مرکزی حکومت جتنا جتنا ہنسا کے آدھار پر قائم ہوتی جاتی ہے اور جتنا جتنا اُس کی مرکزیت بڑھتی جاتی ہے اُتنا اُتنا ہی انسانی بھائی چارے اور مانو پریم کی طاقت مرکزیت سے دور ہوتی جاتی ہے، اُتنا اُتنا ہی اُتپاسے، ظلم اور دوسروں کا چوسنا یا بے جا فائدہ اُٹھانا پھر بڑھنے لگے گا، الگ الگ راج کا جی اکائیوں کے ادھیکار بچ نہیں سکیں گے، نہ ان میں امن امان اور آرام چین کسی اچھے پیمانے پر پیدا ہو سکیں گے۔ اس لئے دُنیا بھر کی ان سب اکائیوں کو ضروری طور پر اپنے ادھیکاروں کی رکشا اور اپنے یہاں کے امن چین اور سکھ شانتی کے لئے دوسرے شبدوں میں اپنی سچی آزادی کے لئے کسی نہ کسی دوسری شکتی اور دوسرے سادھنوں کی طرف دیکھنا ہوگا۔ ہتھیاروں سے یہ اُس مرکزیت کا مقابلہ نہ کر سکیں گی۔ کوئی نہ کوئی شکتی ڈھونڈھنے کی طرف ان کا دھیان زوروں میں جائے گا۔ ایسی حالت میں باپو کے دکھائے ہوئے طریقوں کے سوائے کوئی دوسرا راستہ ایسا نہیں ہے

جس سے یہ اپنے بچاؤ کی آشا کر سکیں۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ آج کل کی حالتوں میں بہت جلدی وہ سمے آئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب دُنیا اہنسا اور مانو پریم کے اُن پہلوؤں پر دھیان دینے کے لئے مجبور ہوگی جو باپو نے دُنیا کے سامنے رکھے ہیں۔ تب دُنیا ٹھنڈے دل سے اس نئی شکتی کی اصلیت اور اُس کے روپ کو سمجھنے کی کوشش کرے گی اور خود طرح طرح کے تجربے کر کے اس بات کو بھی سمجھے گی اور سیکھے گی کہ اس شکتی سے دُنیا میں کیا کچھ ہو سکتا ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ ابھی تک آتم بل کی شکتی کی طرف کیول مذہبی، روحانی اور نیتک سنستھائیں ہی دھیان دیتی رہی ہیں۔ نیتک اور کلچری جیون میں ان سنستھاؤں نے آتم بل کو کام میں لانے کی بڑی سے بڑی کوششیں کی ہیں اور انھیں سپھلتا بھی ملی ہے۔ پر اس میں بھی شک نہیں کہ یہی سنستھائیں راج کاجی اور دوسری ہنسا کی شکتیوں سے اپنے کو ہمیشہ تلوار ہی کے زور سے بچانے کی کوشش کرتی رہی ہیں۔ اس لیے ان سنستھاؤں میں بھی راج کاج ہی کی طرح تلوار کی ضرورت اور اُس کی ساری بُرائیاں برابر قائم رہی ہیں۔ یہی کارن ہے کہ یہ مذہبی سنستھائیں بھی مانو پریم کی شکتی کو ایسا ہتھیار اور ایسا سادھن نہ بنا سکیں جس سے وہ راج کاج کے میدان میں، آتم بل کے ذریعے ہنسا تمک حملوں پر قابو پا سکتی۔ ان سنستھاؤں کے لئے بھی اب دُنیا بدل گئی ہے۔ اپنی ہی سلامتی اور اُنتی کے لئے انھیں بھی باپو کے اُصولوں اور پروگراموں پر ٹھنڈے دل سے وِچار کرنا ہوگا

آج کل کی حالتوں میں اگر مقابلہ کرکے یہ دیکھا جائے گا کہ انسانی دُنیا کو تلوار سے زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے یا مانو پریم سے اور دُنیا تلوار سے زیادہ سُدھر سکتی ہے یا مانو پریم کی شکتی سے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دُنیا کے دُکھی انسان مانو پریم کے حق میں فیصلہ نہ دیں اور اس نتیجہ پر نہ پہنچیں کہ تلوار سے زیادہ بُرا کوئی سُدھار کا طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم اپنے مطلب کو اور بھی صاف کر دینا چاہتے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مانو پریم کی شکتی مانو سُدھار اور مانو اُنتی دونوں کیلئے تلوار کی شکتی سے کہیں زیادہ اچھی ہے۔

اگر ہم ان دونوں شکتیوں کو دھیان سے دیکھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ مانو پریم اور تلوار دونوں کی اصلی طاقت ہمارے وچاروں، ہماری اِچھاؤں اور ہماری اُمنگوں پر نربھر ہے، ہم اپنی سنساری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اور اپنے بھائیوں سے اپنی رکشا کے لئے سوارتھ، نفرت، غصہ، دُشمنی اور ایک دوسرے سے ڈاہ کو دُنیا کے بڑے سے بڑے سادھنوں کی مدد سے ایک سنگٹھن اور ایک سنستھا کا روپ دے دیتے ہیں۔ اس میں آدمی ہماری فوج اور اُس کے سپاہیوں کا کام دیتے ہیں اور تلوار، بندوق، توپ، بارود، ایٹم بم ان سپاہیوں کے ہاتھوں میں ہتھیار کا کام دیتے ہیں۔ جو اصلی شکتی اس سنگٹھن کے پیچھے کام کرتی ہے اور جو اسے چلاتی ہے وہ ہمارے دلوں کے اندر کے وہی بھاؤ ہیں جنھیں ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ اس طرح کے بھاؤ جس طرح ہمیں اپنی رکشا کے لئے کام دیتے ہیں اُسی طرح ہمارے ورودھی کی رکشا کے لئے بھی کام میں آتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بھاؤ دونوں طرف بڑھتے چلے جاتے

ہیں۔ انھیں کے ساتھ ساتھ اُن سادھنوں کا سنگٹھن بھی دونوں طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر ہم کیول اتنا ہی نہیں کرتے کہ ان سادھنوں کی مدد سے اپنی رکشا کرلیں۔ بلکہ ہم اور آگے بڑھ کر اپنے دردھی سے ادھک سے ادھک فائدہ اُٹھانے کی اِن سادھنوں کی مدد سے کوشش کرتے ہیں چاہے وہ فائدہ جائز ہو یا نا جائز۔ انت میں یہ شیطانی چکر دونوں طرف سے ظلم زبردستی اور بربادی کا ایک بہت بڑا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اِسی طرح مانو پریم کی شکتی کے پیچھے پریم، دَیا، چھما، تیاگ، ایک دوسرے کی سیوا، اور ہمدردی کے بھاؤ ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی خود غرضی کا پہلو یا دوسروں سے زبردستی اپنی اِچھائیں پوری کروانے کا پہلو نہیں ہوتا۔ ان دونوں باتوں میں یہ شکتی تلوار کی شکتی سے بالکل ایک الگ چیز ہے۔ پھر بھی ایک بات ان دونوں میں ایک سی ہے۔ یہ دونوں آدمی کے دل اور دماغ پر قبضہ پانا چاہتی ہیں۔ پر ان کے قبضہ پانے کے طریقے ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ ان میں تلوار آدمی کے دل میں اُس کے تن من یا دھن کو کچھ نہ کچھ نقصان پہنچا کر اور اُس میں ڈر پیدا کر کے اپنا مطلب پورا کرتی ہے۔ اس کے خلاف مانو پریم کی شکتی لپنے پریم، تیاگ اور سیوا سے لوگوں کے دلوں کو جیتنا چاہتی ہے اور اسی راستے چل کر اپنا مقصد پورا کرتی ہے۔

اگر ہم ان دونوں شکتیوں کے کام اور نتیجوں کو اخلاقی نگاہ سے ہی دیکھیں تو تلوار دوسرے کے دل میں ڈر بیٹھا کر اُسے کسی ایک راستے پر چلنے کے لیئے مجبور کرتی ہے چاہے وہ راستہ نیکی کا ہو یا بدی کا۔ اس کے خلاف مانو پریم آدمی کی پوری آزادی قائم رکھتے

ہوئے اُسے اپنی محبت کے جادو اور تیاگ کی موہنی سے بس میں کرتا ہے۔ ان دونوں میں اپنے ورودھی کو جیتنے اور سُدھارنے کی بے انت شکتی ہے۔ لیکن تلوار دوسرے کو کم یا زیادہ نقصان پہنچانے سے کبھی بھی پاک نہیں ہو سکتی۔ یا تو یہ کھلے طور پر چھوٹے یا بڑے پیمانے پر لوگوں کے جان اور مال کا نقصان پہنچاتی ہے یا کبھی کبھی کھلا نقصان پہنچائے بنا ہی اپنے ورودھی کے دل میں ڈر اور ہیبت بٹھاکر اُسے ٹھیک کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ گروہوں اور قوموں کی قوموں کے دل میں یہ ڈر بیٹھ جانا اُن کے لئے جان اور مال کے نقصان سے بھی زیادہ بُرا ہوتا ہے۔ یہ اُن کے اندر کے غصّے، نفرت اور دُشمنی کو نہ ختم کرتا ہے اور نہ کم کرتا ہے۔ کیول انھیں اِس یوگیہ نہیں چھوڑتا کہ وہ ہمّت کے ساتھ اپنے دل کے اِن بھاؤں کو پرگٹ کر سکیں۔ اس طرح اندر ہی اندر اِن بھاؤں کا زہر اُن میں اور بھی بڑھتا جاتا ہے۔ ہنسا کی شکتی کا یہ بُرا نتیجہ اتنا بُنیادی ہے کہ اُس کے ذریعے کوئی سچّا سُدھار ہو ہی نہیں سکتا۔ سُدھار کی جگہ یہ لاکھوں انسانوں کے شریروں کا ہی نہیں اُن کی آتماؤں اور ضمیروں کا بھی خون کر دیتی ہے۔

آج کل کے نیتک سائنس کے جاننے والے اور من وِدّیا کے پنڈت اس بات پر سب ایک رائے ہیں کہ کسی طرح کی بھی ہنسا دباؤ یا سزا کا خیال کسی تعلیمی مقصد یا کسی طرح کے سُدھار کو پورا کرنے میں کیول بے کار ہی نہیں بلکہ اُلٹا نقصان دینے والا ثابت ہوتا ہے۔ آدمی کے اندر کی کمزوریوں اور بُرائیوں کو کم کرنے یا سُدھارنے کی جگہ وہ انھیں اور زیادہ گہرا اور ٹِکاؤ بنا دیتا ہے۔

اِس اُصول کو آج دُنیا میں عام پر تعلیم اور سُدھار کے پنڈتوں نے ٹھیک مان لیا ہے، اب انسانی دُنیا اپنی ساری تعلیمی سنستھاؤں، سُدھار کی کوششوں یہاں تک کہ جیلوں تک میں مجرموں کے سُدھار کے لئے بالکل نئے نئے طریقے کام میں لائی جا رہی ہے، جن میں ہنسا یا سزا کی بھاؤنا مٹتی جا رہی ہے۔ اس انقلاب کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ ہنسا اور زبردستی کے طریقے بند کئے جاویں اور اُن کی جگہ اہنسا کے طریقوں سے کام لیا جاوے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہنسا یا تلوار سب طرح سے سُدھار کے لئے بالکل بے کار ہے۔

جہاں تک مانو پریم کا سمبندھ ہے وہ کسی کو کسی طرح کا جان یا مال کا نقصان پہنچا ہی نہیں سکتا۔ وہ دونوں طرف کے دلوں سے ڈر کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ ڈر ہی ہر طرح کی ہنسا کی جڑ ہے۔ جب آدمی بالکل نڈر ہو جاتا ہے تو اُسے اپنی رکشا کے لئے بھی کسی سنگٹھن کی ضرورت دکھائی نہیں دیتی۔ اس لئے تلوار کا یہ کام بھی کہ اس سے لوگوں کی رکشا کی جاتی ہے بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

سُدھار یا رکشا کے علاوہ تلوار کا ایک کام اور رہ جاتا ہے۔ وہ ہے دُوسروں کو جیتنا۔ اوّل تو انسانی دُنیا آج اس گری ہوئی حالت میں بھی اس طرح کے جیتنے کو ناجائز سمجھتی ہے اسلئے ہمارے جیون کے اس پہلو کو جاری رکھنے کا سوال ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر بھی اگر ہم تلوار کے اس پہلو کا مانو پریم کے اسی پہلو سے مقابلہ کریں تو اس بارے میں بھی مانو پریم کا ہتھیار زیادہ اونچا اور کام کا ثابت ہوتا ہے۔ مانو پریم کی شکتی ہار جیت کا جواب تیاگ سے دیتی ہے۔ اس طرح ہار جیت کی بُرائیاں بھی

بہت کم ہو جاتی ہیں اور دھیرے دھیرے اُس کے مٹ جانے کی بھی آشا پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ہم تیاگ میں آدمی کو سچا آدمی بنانے کی شکتی نہ بھی مانیں تب بھی ہم تیاگ کے فائدے سے اِنکار نہیں کر سکتے نہ ہم اس بات سے اِنکار کر سکتے ہیں کہ تیاگ کا راستہ صلح اور سمجھوتے کی راہیں کھلی رکھتا ہے اور کھینچا تانی، مار کاٹ اور دُشمنی کی راہوں کو کم کرکے اُن کے مٹنے کی صورتیں پیدا کر دیتا ہے۔

جہاں تک اِن دونوں شکتیوں کے استعمال میں باہری سادھنوں اور سامان کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تک بھی ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تلوار کے لئے مادّی سادھنوں کی بہت بڑے پیمانے پر ضرورت پڑتی ہے جس میں ان گنت دولت خرچ کرنی پڑتی ہے۔ یہ سارے سادھن دُنیا کے بنانے والے نہیں بگاڑنے والے ہیں۔ ان کے جواب کے لئے دردھی کو اِسی طرح کے گھاتک سادھن کام میں لانے پڑتے ہیں۔ اِن کے مقابلے میں مانو پریم کی شکتی ہمیں رچنا اور سواولمبن کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ کسی مادّی سادھنوں کی محتاج ہے ہی نہیں۔ اس سے بھی اونچی بات اُس میں یہ ہے کہ اُس کا اثر اور جواب اور جواب کا جواب، دونوں طرف سے اور دونوں کے لئے رچناتمک ہوتا ہے۔ اُس سے دونوں کا سُدھار ہی سُدھار ہوتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ تلوار انسانی گتھیوں کو سلجھاتی نہیں، اُنھیں اور بھی اُلجھا کر کڑا کر دیتی ہے۔ اس سے ہِنسا اور دشمنی کا ایک دَور شروع ہو جاتا ہے جسے تلوار کسی طرح ختم کر ہی نہیں سکتی۔ اس دور کو اگر دنیا کی کوئی شکتی ختم کر سکتی ہے تو وہ مانو پریم کی ہی شکتی ہے۔

ان میں چوتھا فرق یہ ہے کہ تلوار اپنی کامیابی کے لئے باہر کے سادھنوں کی محتاج ہونے کی وجہ سے اپنے سے زیادہ بڑے اور زیادہ سادھنوں والے سنگٹھن کے سامنے جھک جانے اور ہار مان لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس میں کوئی آتم گورو یا خودداری کا پہلو ہے ہی نہیں۔ نہ اس میں کوئی سنتوش کا پہلو ہے۔ اس کے لئے اپنا فوجی سنگٹھن ہر سمے پورا رکھنا اور اُسے برابر بڑھاتے رہنا ضروری ہے۔ جب تک کوئی طاقت دُنیا کی سب سے بڑی طاقت نہ بن جاوے تب تک اُسے یہ کوشش اور تیاری جاری رکھنی ہی ہوگی، کیونکہ اس کے بنا وہ دوسروں سے اپنے کو بچا کیسے سکے گی۔ دُنیا کی سب سے بڑی طاقت بن جانے کے بعد بھی نئے دُشمن پیدا ہونے اور پُرانے دُشمنوں کے اس کے خلاف مل جانے کا ڈر ہمیشہ بنا رہے گا۔ تلوار کی یہ آخری بدنصیبی ہے کہ اسے چین اور شانتی کبھی مل ہی نہیں سکتی۔ اس کے خلاف ماتر پریم کی شکتی اتنا صبر اور شانتی پیدا کرتی ہے کہ جس پر کوئی باہر کی طاقت اپنا اثر نہیں ڈال سکتی۔ باہری دباؤ سے اثر لینے کا ڈر اس میں بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اس ڈر سے یہ لگ بھگ آزاد رہتی ہے۔ اس نگاہ سے اس میں سچی خودداری ہوتی ہے جسے ساری دُنیا کی مادّی طاقتیں بھی مل کر نہیں مٹا سکتیں۔

ہماری ساری پُرانی مذہبی کتابیں اور سنستھائیں ماتر پریم کی شکتی کو دُنیا کی سب سے بڑی رچناتمک شکتی بتاتی ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ یہ شکتی ہنسا کی ہر شکتی پر ہمیشہ وجے حاصل کر سکتی ہے۔ اِن کا کہنا ہے کہ غصہ نفرت اور دُشمنی آگ کا جوہر رکھتی ہیں۔

تلوار اسی جوہر کا شاکسات روپ ہے۔ اس لئے یہ آگ دوسروں کی آگ بجھا نہیں سکتی اُسے بڑھا اور بھڑکا ہی سکتی ہے۔ مانو پریم کی شکتی اِس آگ کے لئے پانی ہے جو قدرتی طور پر اس آگ کو بجھا دے گا یا کم کر دے گا۔

ان دھرم پُستکوں نے دِستار کے ساتھ وہ سادھن بتائے ہیں جن سے آدمی اس شکتی کو بڑے سے بڑے پیمانے پر اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ جس طرح باہر کی سائنس میں دُنیا کے مادّی قانونوں کی چھان بین کی جاتی ہے اُسی طرح مانو پریم اور آتم بل کے ان جانکاروں نے تجربے کر کر کے اس شکتی کے اصلی رُوپ کا پتہ لگایا ہے اور اس بات کی کھوج بھی کی ہے کہ اِس شکتی کے ذریعے انسانی زندگی کی کن کن کٹھنائیوں کو کس کس طرح حل کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اس شکتی سے کام لینے کے لئے نیم اور طریقے لکھ دیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس کس حالت میں اس شکتی سے کام لینے کے کیا کیا نتیجے ہوں گے۔ اور اُن کے بعد پھر کیا کرنا ہوگا۔

ان کھوجوں اور پریوگوں سے فائدہ اُٹھا کر دُنیا کے بڑے سے بڑے سداچاری اور روحانی جانکار جیسے رِشی، مُنی، نبی، ولی، تیرتھنکر اور اوتار دُنیا کے سامنے آکر اتہاس کے پنّوں پر اپنے اچرج بھرے کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ ان کارناموں کو دیکھنے سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ انسانوں پر اپنی حکومت قائم کرنے کیلئے تلوار کی شکتی مانو پریم کی شکتی کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ہم اس سوال کی لمبی بحث میں نہ جا کر کیول تھوڑی سی مثالیں نیچے دیتے ہیں ـــــ

دُنیا کے کچھ مہان سے مہان پُرشوں نے جو نیتک اور آتمک شکتی
کے جانکار تھے جیسے بُدھ، عیسیٰ، محمدؐ، رام، کرشن، زرتشت، موسیٰ اور
اسی طرح کے دوسرے دیشوں کے بڑے بڑے بزرگوں نے دُنیا میں
اپنی اپنی اخلاقی اور روحانی حکومتیں جنھیں ہم دھرم مذہب کہتے ہیں
قائم کیں۔ اگر ہم ان حکومتوں کو دیکھیں اور پھر اُن حکومتوں کو دیکھیں جو دُنیا کے
بادشاہوں اور شہنشاہوں نے قائم کیں تو صاف دکھائی دے جاوےگا کہ جہاں تک
شان شوکت، پھیلاؤ اور مضبوطی کا تعلق ہے، ان دونوں طرح کی
حکومتوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا۔

یہ کہنا کہ ان حکومتوں کے قائم ہونے میں کہیں کہیں بڑے پیمانے
پر تلوار سے کام لیا گیا۔ اگر یہ ٹھیک بھی ہو تو بھی بات پر اس کا کوئی
اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ اگر ہم یوں دیکھیں تو جتنا ہر بادشاہ اور شہنشاہ
نے اپنی حکومت بنانے اور بنائے رکھنے میں اس طرح کی فوجی
سنستھاؤں سے یا ماتو پریم کی شکتی سے کام لیا ہے وہ اتنا اونچا
ہے کہ جس کے سامنے مذہب کا تلوار کی مدد لینا کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔
اس کے علاوہ اتہاس کی مدد سے یہ اچھی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے
کہ جس پیمانے پر کسی مذہب نے اپنے سچے مطلب کو پورا کرنے
میں تلوار سے کام لیا اُسی پیمانے پر وہ مذہب اپنے اصلی مقصد
کو پورا کرنے میں ناکام رہا اور اُس نے اپنی کمزوری اور بربادی
کے بیج بوئے۔

دُنیا کی ایک بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ دھرم مذہبوں کے بعد
کے آچاریہ اور ماننے والے جیوں جیوں اپنے سچے نیتک اور
آتمک سوتوں سے دُور ہوتے گئے اتنا اتنا ہی وہ باہر کے

سنساری سادھنوں کے زیادہ زیادہ محتاج ہوتے چلے گئے، اور اُن میں دُنیا کی وہ اچھائیں اور وہ بُرائیاں جنھیں مذہب کم کرنے اور مٹانے آیا تھا بڑھتی چلی گئیں۔ راج کاج کے ہتھیاروں سے بھی ان مذہبی سنستھاؤں اور آچاریوں کو تلوار کا بل لوگ مٹانا چاہئے تھا۔ اُن سے آشا تھی کہ وہ راج کاج کو بھی پوری طرح سدا چاری اور روحانی شکتیوں کے ادھین کر سکیں گے۔ اس سب کی جگہ دھیرے دھیرے یہ مذہبی لوگ خود راج کاج کے ادھین اور فرماں بردار بن گئے اور راج درباروں سے لابھ اُٹھانے کی اچھائیں ان کی اتنی بڑھیں کہ انت کو ان میں اور دُنیا کے دوسرے لوگوں میں سوائے اوپر کی دکھاوٹی اور نکمی باتوں کے کوئی سچا فرق یا کوئی اونچائی نہ رہ گئی۔ اس کا سب سے بُرا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی دُنیا کو ایک بھائی چارے کے سانچے میں ڈھالنے کی جگہ یہ لوگ خود اُس بھائی چارے کے پیدا ہونے میں سب سے بڑی رُکاوٹیں اور لوہے کی دیواریں بن کر رہ گئے۔ ان کی اس گراوٹ کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی جیون کے راج کاجی اور مالی پہلوؤں کو روحانی اور اخلاقی پہلوؤں پر چھا جانے کا موقع مل گیا۔ ایک طرف روحانیت اور مانو پریم اور دوسری طرف راج کاج اور تلوار یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف شکتیاں تھیں جن کا ایک جگہ پر مل جانا کٹھن ہی نہیں بلکہ اَن ہونی بات تھی۔ تلوار کے سائے میں روحانیت کا آشریہ لینا اپنی ساری سچی اونچائی اور بھلائی کو ختم کر دینا تھا۔ اس طرح گرتے گرتے جب ان مذہبوں نے اپنے کو قومی اور نسلی ایسے ہی ورن اور سمپردائے

کی گروہ بندیوں میں بانٹ لیا اور سچے دین دھرم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تو انسانی بھائی چارے کو عملی روپ دینے کے نیک اور دھارمک دروازے بند ہو گئے۔ اس کے بعد راج کاجی اور دوسرے سماجی نیتاؤں کو اس مقصد کے پورا کرنے کے دوسرے راستے نکالنے پڑے جنھوں نے آج لوک راج، سماج واد (سوشلزم) اور سامیہ واد (کمیونزم) کے روپ لے لئے ہیں۔ آج پُرانے دھرم مذہبوں کے دعوے دار بڑے پیمانوں پر انھیں آندولنوں کی طرف جھک رہے ہیں۔ انھیں یہ دکھائی نہیں دیتا کہ یہ راستے اُن کے اپنے مٹنے کے راستے ہیں۔ یہ سمجھ اُن میں تبھی آسکتی تھی جب اُن میں کچھ بھی سچا سدا چار یا روحانیت باقی ہوتی۔ اگر آج بھی وہ اپنی اصلیت کو، اپنے دین دھرم کے سچے روپ کو اور دُنیا کے جھکاؤ کو پوری طرح سمجھ لیں تو یہ دُنیا کی حالت میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دے سکتے ہیں۔ اِن کے لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ راج کاج کے رُعب میں نہ آکر اور اُس کے پرلوبھنوں سے اوپر اُٹھ کر اپنے پُرانے دینوں اور سدا چاری راستوں پر آجائیں اور راج کاج سے باہر رہ کر ایک بڑا اور شاندار نیتک اور آتمک سنگٹھن بنا لیں، جس سنگٹھن کا ایک اکیلا مقصد آدمی کو آدمی بنانا اور دُنیا کو راج کاج کی بھولوں اور بُرائیوں سے بچانا ہو۔ اس سنگٹھن کا کام ہوگا راج کاج کو سچے دھرم اور سدا چار کے ادھین کر کے اُس کے ہاتھ سے ہنسا اور زبردستی کا ہتھیار چھین کر اُسے مانو جاتی کا سچا سیوک بنا لینا۔ آج کل کے مذہبوں کے آچاریہ اگر یہ کام نہیں کر سکتے تو دُنیا کی

بھلائی کرنے کے بجائے وہ اُس کی اُنتی کے راستے میں ایک بہت بڑی
رُکاوٹ ہوں گے جسے دُنیا کسی طرح بھی دیر تک برداشت نہ کریگی ۔

سیوک اور سیوا

دُنیا کی اس طرح کی نازک اور درد ناک حالت میں باپو کا جنم
ہوا ۔ اُنھوں نے اتہاس میں پہلی بار ماتر پریم کو تلوار کے مقابلہ
میں لاکر کھڑا کر دیا اور وہ بھی راج کاج کے میدان میں ۔ اِس
طاقت کی مدد سے وہ انسانی جیون میں ایک نیک انقلاب پیدا کرنا
چاہتے تھے ۔ جو پانچ باتیں کسی بھی انقلاب کے پیدا کرنے کے لئے
ضروری ہوتی ہیں اور جو باپو نے اپنے ودھان میں رکھی ہیں اُن
میں سے تین (مقصد، سادھن، سنگٹھن) ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ۔
چوتھی وہ شکتی ہے جس کے بل سے انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے یعنی
آتم بل اور ماتر پریم کی شکتی ۔ پانچویں جگہ ہم اُن نسوارتھ تیاگی
سیوکوں کو دیتے ہیں جو اس شکتی کی مدد سے اُس انقلاب کو پیدا
کر سکتے ۔ ماتر پریم کی شکتی کے بارے میں ہم بہت کچھ کہہ چکے
اب ہم اس ودھان کے سیوکوں کی بابت کچھ کہنا چاہتے ہیں ۔

جب سے باپو کو اِس شکتی کا اور اپنے مشن کا انوبھو
ہوا تبھی سے اُنھوں نے اِس طرح کے سیوک پیدا کرنے کی
کوشش شروع کر دی تھی ۔ جو اِس شکتی کو اپنے اندر پیدا کرکے
اُس مشن کے پورا ہونے میں مدد دیں ۔ اُنھوں نے اپنے آشرموں

اور آندولنوں کے ذریعے ایسے بہت سے سیوک ملک میں پیدا کر دیئے ہیں۔ اس ودھان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باپو نے انھیں سیوکوں پر اِن نئے آندولن کے چلانے کی ذمہ داری ڈالی ہے اور اس طرح کے سب سیوک اس کام میں لگ سکیں اس لئے باپو نے اپنے سارے رچناتمک سنگٹھنوں کو "لوک سیوک سنگھ" میں مل جانے کو کہا ہے۔ جن سنگٹھنوں کو انھوں نے اس نئے سنگھ میں شامل کیا ہے اُن کے نام ہم نیچے دیتے ہیں۔ یہ ودھان کی دفعہ دس میں دیئے ہوئے ہیں۔

۱۔ کل ہند چرخہ سنگھ
۲۔ کل ہند گرام اُدیوگ سنگھ
۳۔ ہندستانی تعلیمی سنگھ
۴۔ ہریجن سیوک سنگھ
۵۔ گو سیوا سنگھ

دفعہ دس میں اوپر کے "مقصد" کہہ کر جن مقصدوں کا حوالہ دیا گیا ہے اُن سب کو ہم پیچھے دے چکے ہیں۔ جو یوگتائیں سیوکوں میں ہونی ضروری ہیں وہ بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ جن رچناتمک کاموں کو پورا کرنا ان سیوکوں کا فرض بتایا گیا ہے وہ بھی لگ بھگ وہی سب ہیں جنھیں اوپر لکھے پانچ سنگھ ملک میں چلا رہے ہیں۔ اس سب سے ظاہر ہے کہ یہ نیا آندولن بھی باپو اپنے پرکھے ہوئے کارکنوں کے ہی سپرد کرنا چاہتے تھے اور چونکہ انھیں اس نئے پریم کی شکتی سے کام لینا تھا جسے وہ ہر طرح کی ہنسا سے بچانا چاہتے تھے، اس لئے انھوں نے اپنی پنچائتوں میں ایسے

سیوکوں کے سوائے اور کسی کو کوئی جگہ نہیں دی۔ باپو کی غرض یہ تھی کہ اس نئے آندولن کو اُن باتوں سے بچایا جاوے جن کی بدولت کانگریس سیدھے راستے سے بھٹک چکی تھی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے ودھان کی یہ شرطیں پیش کرنے کے صاف معنی یہ تھے کہ کانگریس والے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اُن لوگوں کو جنکا جُھکاؤ کیول راج کاج کی طرف ہے اب رچناتمک پروگرام کے کام کرنے والوں کی رہنمائی میں کام کرنا ہوگا۔ یہ اُس حالت کو اُلٹ دینا تھا جو پچھلے تیس سال تک رہ چکی تھی۔ یہ کانگریس کے پچھلے راج کاجی جیون کو مٹا کر اُسے ایک اہنساتمک، رچناتمک سیوک کی طرح کام کرنے پر مجبور کرنا تھا۔

باپو خود اپنی زندگی میں اس ودھان کو عملی روپ دیتے تو کیا کیا صورتیں پیدا ہوتیں اس کا وچار کرنا اب کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ کانگریس اس طرح کے انقلاب کو پسند نہیں کر سکتی اس لئے اس آندولن کو چلانے کا سارا بھار اور ذمہ داری اُن کام کرنے والوں پر ہے جو باپو کے پُرانے آندولنوں میں کام کر چکے ہیں یا ایسے نئے لوگوں پر ہے جو باپو کے پریمی ہیں۔ اُن کے اصولوں کو مانتے ہیں اور اب اس میں عملی حصہ لیکر اس آندولن کو سپھل بنانا چاہتے ہیں۔

باپو ہمیشہ اپنے کام کرنے والوں کے سامنے سیوا اور تیاگ کا وہ اونچا آدرش رکھتے تھے جو مذہبی سنیاسیوں اور یوگیوں کے سامنے رہتا ہے۔ دُنیا کے کسی راج کاجی کام کرنے والوں کے سامنے سیوا کا اتنا اونچا آدرش شاید ہی کبھی رہا ہو۔ ایسے ہی

دُنیا کے شاید کم کام کرنے والوں نے اس اونچے آدرش کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے کی اتنی سچائی سے کوشش کی ہوگی جتنی باپو کے سیوکوں نے۔ پھر بھی کسی آدرش کو پوری طرح اپنے جیون میں ڈال سکنا آدمی کی شکتی سے باہر ہے۔ باپو اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ بڑے پریم کے ساتھ ہمیشہ اپنے سیوکوں کی ہمت بڑھاتے رہتے تھے۔ اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش میں لگے رہنا اور اپنی طاقت اور ہمت کے انوسار اپنی ذمہ داریوں کو لگن کے ساتھ پورا کرنے کی کوشش کرتے رہنا ہی باپو کی نگاہ میں سچے سیوک کا کام تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہماری سچائی اور کوشش ہی، اگر ہم لگے رہے تو ہماری کمزوریوں کو دور کر دے گی اور دھیرے دھیرے ہماری سیوا کے دائرے کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہمارا اثر بھی بڑھتا جائے گا۔ اس اثر کا بڑھنا ہی ہماری سیوا کی سچائی کی کسوٹی ہوگی۔

باپو اپنے سیوکوں کے لئے کوئی قانونی حق یا مالی سادھن یا اسی طرح کی باہری سہولتیں جمع کر دینا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ ان لوگوں کے سامنے ہمیشہ سوادلمبن کا آدرش رکھتے تھے۔ مانو پریم سے اور اپنے تیاگ اور نسوارتھ سیوا سے لوگوں کے دلوں کو جیتنا، اپنے سمے، اپنے سادھنوں، اپنی ساری شکتی اور شردھا کے انمول موتی مانو سماج کی بھلائی پر قربان کر دینا — یہی ہے لاگ سیوا کے سچے جوہر ہیں۔ اسی سے وہ نیتک بل یا آتم بل

پیدا ہوتا ہے جو تلوار اور ہنسا سے ٹکر لیتا ہے اور جو لوگوں
کے دلوں پر اپنا اثر ڈال کر ایک چھوٹے سے سیوک کو
اُن کا پیارا بنا دیتا ہے۔ مادی شکتی اور سیوا دونوں
اپنی اپنی حکومتیں قائم کرتی ہیں۔ ایک لوگوں کے جان اور
مال پر قابو پاکر، اور دوسری اُن کے دل اور دماغ پر اپنی
محبت اور سیوا کا سکہ جماکر۔ ایک خراج یا ٹیکس لیتی ہے،
دوسری اپنا سب کچھ دے دیتی ہے۔ تلوار چار دان لیتی
ہے تن، دھن، جان اور ہمت۔ مانو پریم چار دان دیتا ہے ---
دھن، تندرستی، ودیا اور نڈرتا۔ یہی چار دان باپو نے اپنی
منظم سیوا کی دشاؤں میں شامل کئے ہیں۔ انھیں چار دانوں
سے تلوار اور راج کاج کی سب بڑی سے بڑی طاقتوں کا
مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ تلوار ایک ڈراؤنی چیز ہے۔ مانو پریم
اور سیوا ایک موہنی شکتی ہے جیسے دیپک میں پروانے کیلئے
اور چندرما میں چکور کے لئے ہوتی ہے۔ یہ شکتی سیوک کے
تیاگ کا اثر جنتا کے دل میں ڈال کر اُسے تلوار کے ڈر اور
حکومت کی ہنسا دونوں سے نڈر اور آزاد کر دیتی ہے اور
اُس کے من کی طاقت کو فولادی بنا دیتی ہے۔ تیاگ کی وہ
شکتی جو سیوک میں ہوتی ہے اور جس میں مانو پریم کی موہنی
گھلی ہوتی ہے لوگوں کے دلوں میں گھس کر اُنھیں مالا مال
کر دیتی ہے۔ تیاگ اُن کے لئے ایک فرض ہی نہیں بلکہ
اندر کی شانتی، سنتوش اور آنند کا ذریعہ بن جاتا ہے۔
باپو اپنے سیوکوں میں یہی سیوا کی شکتی اور یہی مانو پریم

پیدا کر دینا چاہتے تھے۔ اس سب کے بدلے میں باپو ایک ہی گرو دکشنا مانگتے تھے۔ وہ یہ کہ سیوک اپنا راج جمانے میں اس شکتی کے سوا دنیا کی کسی دوسری شکتی سے کوئی سہارا نہ لیں۔ سیوکوں کے جیون میں یہ اسی سواولمبن کا چتر ہے جو باپو کو اتنا پیارا تھا اور جسے وہ ساری سکھ شانتی اور شکتی کا سوتا بتاتے تھے۔ اس ودھان میں انھوں نے جن شبدوں میں یہ گرو دکشنا مانگی ہے وہ ہم نیچے دیتے ہیں ـــ" یہ بات دھیان میں رکھنی چاہیئے کہ سیوکوں کی اس جماعت کو جو کچھ ادھیکار ہوں گے یا جو کچھ شکتی انھیں ملے گی وہ اس سیوا سے ملے گی جو اپنے مالک یعنی سارے ہندستان کی پورے دل سے خوشی خوشی اور سمجھداری کے ساتھ کریں گے۔"

یہی باپو کا گاتیری منتر ہے۔ سنوارتھ سیوا کا یہی روپ ہے۔ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے یہی چمبک شکتی ہے۔ تلوار کو قابو میں کرنے کا یہی وشیکرن منتر (تعویذ حب) ہے اور نیتک انقلاب کے لئے یہی رام بان یا اسم اعظم ہے۔

باپو کا سیوا کو اپنے ودھان میں یہ شاندار جگہ دینا، اُن کے سگر سیوا کے پروگرام کو اُس برہم یگیہ یا یزدانی یگیہ کی شکل دے دیتا ہے جس میں گیتا کے انوسار سارے سنسار کی سرشٹی ہوئی ہے۔ گیتا کا یہ اُپدیش سنوارتھ سیوا اور تیاگ کو ہی قدرت کے سارے قانونوں کی دُھری بتاتا ہے۔ اس تیاگ میں حصہ لینا سب پرانیوں کا فرض ہے۔ یہی قدرت کا نیم اور تقاضہ ہے۔ کوئی جاندار یا بیجان اِس

قانون کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتا۔ اگر وہ اِس سچائی کو سمجھ کر خوشی خوشی اور پورے دل سے اُس میں حصّہ لیتا ہے تو اُس سے دُنیا کو اور دُنیا سے اُس کو بے حد فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن اگر وہ اِس دھرم کے راستے سے، اِس راہِ مستقیم سے بھٹکتا ہے تو وہ قدرت کی نعمتوں سے دور ہٹ کر دُنیا کے دُکھوں اور مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اِس قانون سے انجان ہو اور اپنے سنساری دُکھ کے اصلی کارنوں کو نہ سمجھ پاتا ہو پر اس سے وہ اس قانون کے نتیجوں سے بچ نہیں سکتا، اگر وہ سمجھ کر بھی اپنے اِس فرض کو پورا نہیں کرتا، تو اُسے اپنی اِس بھاری بھول کا خمیازہ بھوگنا پڑے گا۔

اِسی قانون پر ہندستان کی پُرانی سبھیتا کی ساری تعمیر ہوئی تھی۔ اِس لئے اُس سبھیتا نے دُنیا میں اتنی اونچائی اور کامرانی حاصل کی پر اُس سبھیتا کے نام لیوا تیاگ کے اِس اونچے آدرش پر پورے نہ اُتر سکے۔ اِسی سے ہمارا دیش بربادی کے بھنور میں پھنس گیا ہے۔ باپو ہمیں اِس بھنور سے نکلنے کا راستہ بتانے آئے تھے۔ ہم اِسے مانیں یا نہ مانیں پر قدرت اور دُنیا کی حالت دونوں یہ بتا رہی ہیں کہ ہمارے اور دُنیا کیلئے کوئی دوسرا راستہ ہے ہی نہیں۔

باپو خود تیاگ اور مانو پریم کی مورتی تھے۔ اُنھوں نے نِسوارتھ سیوا کی ایک باڑھ اِس دیش میں پیدا کر دی تھی۔ اُن کے لئے مانو پریم ویسی ہی اصلی اور سچی حقیقت تھی جیسی بجلی یا ایٹومیک انرجی سائنس دانوں کے لئے۔ اُن کا خیال

تھا کہ ہر آدمی یہ شکتی اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے اور اُسے جتنا چاہے بڑھا سکتا ہے۔ پرکرتی کے نیموں میں اس شکتی کے بڑھنے کے لئے کوئی حد یا سیما نہیں ہے۔ نہ کوئی باہری رُکاوٹ ہمیں اس شکتی کے اپنے اندر بڑھانے میں کٹھنائی پیدا کر سکتی ہے۔ رُکاوٹیں جو ہیں وہ ہماری اپنی پیدا کی ہوئی ہیں۔ منشیہ نے اپنی غلطیوں سے ہی اپنے آپ کو برباد کیا ہے۔ جتنی کوشش، محنت اور دولت خرچ کرکے ہم نے اپنے تلواری سنگٹھن کو بنایا ہے اور اُسے بڑھانے میں جتنی کوشش، محنت اور دولت ہم خرچ کرتے رہتے ہیں اُس کا ایک چھوٹا سا حصّہ بھی اگر ہم مانو پریم کی شکتی کو اپنے اندر پیدا کرنے اور بڑھانے میں خرچ کریں تو انسانی قوم کی ساری مصیبتیں دم کے دم میں ختم ہو سکتی ہیں۔ جنتا اور راج دونوں مل کر اس کام کو کرنا چاہیں تو لوک راج اور انسانی بھائی چارا دونوں کا سچّا دَور اس بھومی پر دونوں کے اندر قائم ہو سکتا ہے۔ اسی آدھار پر باپو نے یہ کہا تھا کہ اگر راج کی باگ میرے ہاتھ میں آجاوے تو میں بنا فوج اور بنا پولیس کی مدد کے اسے چلا سکتا ہوں۔

باپو کوئی جادوگر نہیں تھے۔ اُنھوں نے یہ بات اُسی طرح سوچ سمجھکر اور حساب لگاکر کہی تھی جس طرح ایک سائنس والا سائنس کی بات کرتا ہے یا حساب جاننے والا حساب کے کسی سوال کا جواب بتاتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ راج

اگر اپنی غلطیوں اور بھولوں سے باز آجاوے اور خود مانوَ پریم کے آدھار پر اپنے کو چلانے لگے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سارے دیش کے دلوں کو مانوَ پریم سے اپنے بس میں کرسکتا ہے اور دیش بھر میں اس طرح کے نئے سنگٹھن کھڑے کرسکتا ہے جو وِرودھی شکتیوں کے مقابلے کے لئے تلوار سے کئی گنا زیادہ کام کے ثابت ہوں۔ نفرتیں اور غصے اور ایک دوسرے کی کھینچا تانی مِٹ سکتی ہے اور مُلک کے کونے کونے میں ایک نئی جان، نیا جوش اور نئی طرح کا آتم بل پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ ناممکن باتیں نہیں تھیں اس میں کیول جنتا اور راج دونوں کے سہہ یوگ کی ضرورت تھی۔ باپو کو وِشواس تھا کہ اگر راج اُن کا ساتھ دے دے تو جنتا پورا پورا سہہ یوگ دینے سے اِنکار نہیں کرسکتی۔

اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باپو خود راجہ یا بادشاہ یا وزیر یا اس طرح کی کوئی چیز بننا چاہتے تھے۔ وہ کیول حکومت سے اور کانگریس سے دلی سہہ یوگ کی بھیک مانگ رہے تھے۔ جنتا پر تو اُنھیں بھروسہ تھا ہی۔ اُن کا دُکھ اور اُن کی بے بسی اسی میں تھی کہ کانگریس اور راج سے انھیں یہ سہہ یوگ نہ مل سکا۔

بنا فوج اور بنا پولیس کے راج چلانے کے لئے دو باتیں درکار ہیں۔ ایک دیش کو دوسرے دیشوں کے حملوں اور چالوں سے بچانا، دوسرے دیش کے اندر امن امان قائم رکھنا۔

اِن میں پہلی بار باپو نے انگریزی راج کی بُنیادوں کو ہلاکر دیش کو خود آزاد کرکے دکھا دیا۔ یہ ایسی حالت میں جب کہ دیش

کے پاس ہتھیار نہ تھے اور دیش ودیشی راج کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اب دیش آزاد ہے۔ وہ اپنی شکتی کو سمجھ چکا ہے۔ یہ کہنا کہ اس بدلی ہوئی ہوا میں باپو اپنے مانو پریم کی شکتی اور اہنسا کے سادھنوں سے ودیشی طاقتوں کی چالوں سے مُلک کو نہ بچا سکتے تھے، بالکل زبردستی ہے۔ کوئی آدمی جو تھوڑا بہت بھی انصاف اور سمجھ سے کام لے اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتا۔

جہاں تک دیش کے اندر بنا فوج اور پولیس کے امن امان قائم رکھنے کا سوال ہے وہاں تک باپو نے راج کاج سے بھی بڑھ کر ثبوت مانو پریم کی شکتی اور آتم بل کے کارناموں کے دیئے ہیں۔ باپو کے جیون کے آخری دنوں کے چمتکار، اس سمے جب کہ سامپردایک طوفان اپنی چوٹی پر تھا، دُنیا کے کسی بھی آدمی کو پریم کی شکتی اور آتم بل میں وِشواس دلانے کیلئے کافی ہے۔ ہمارے پچھلی اُستادوں نے ہمیں دُنیا کا یہ ایک بُنیادی اُصول سمجھایا ہے کہ کوئی کام بنا کارن کے نہیں ہوتا۔ مانی ہوئی بات ہے کہ نفرت، غصّہ اور ہنسا شکتیاں ہیں اور یہی وہ شکتیاں ہیں جو آدمی کو حیوانی اور خونی حرکتیں کرنے مجبور کرتی ہیں۔ تلوار اِن شکتیوں کو لوگوں کے دلوں میں ڈر بیٹھا کر دَبا سکتی ہے۔ سدا چار کے پنڈتوں کا دعویٰ ہے کہ یہ شکتیاں مانو پریم کی شکتی سے بھی دبائی جاسکتی ہیں۔ جہاں تک اُن سامپردایک طوفانوں کا سمبندھ ہے جو باپو کے آخری جیون میں دیش کے بٹوارے سے پیدا ہوئے وہاں تک

ہم سب جانتے ہیں کہ حکومت کی پولیس اور فوجیں ان طوفانوں کو دبانے میں ناکام ثابت ہو رہی تھیں۔ باپو اس سنکٹ کے سمے اپنے وِشواس سے کام لے کر اِس طوفان کو اپنے ہتھیاروں سے دبانے کے لئے نکل پڑے۔ نواکھالی میں وہ پولیس اور فوج کے بجائے مٹھی بھر نہتھے مردوں اور عورتوں کو اپنے ساتھ لیکر چلے گئے۔ اُنھوں نے وہاں کے لوگوں کی اُن کے گھروں پر جاکر نِسوارتھ سیوا کی۔ اِن لوگوں میں بہکے ہوئے اور خون کے پیاسے انسان اور سہمے اور دبے ہوئے مظلوم دونوں شامل تھے۔ باپو دونوں سے ملے۔ اُنھوں نے دونوں کی سیوا کی۔ دونوں کی مدد کی۔ دونوں کے دلوں کو پگھلایا اور بدلا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُن کے مانوَ پریم کی شکتی نے وہاں کی ہوا پر اتنا اثر ڈالا کہ جتنا کوئی دوسری شکتی نہ ڈال سکتی تھی۔ باپو کے اِس اثر کو دیکھ کر دیش کے بڑے سے بڑے لوگوں نے باپو کی نیتک شکتی اور آتم بل کا سکّہ مانا۔

باپو کے اِس اثر کو اگر ہم ایک سائنس والے کی طرح دیکھیں اور سمجھیں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ باپو کی نیتک اور آتمک شکتیوں نے وہاں کے مسلمانوں کے غلط جوش اور ہندوؤں کے ڈر دونوں پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ یہ دونوں ایک بہت بڑے پیمانے پر ٹھنڈے ہو گئے۔ غلط جوش، پریم اور پشیمانی میں اور ڈر، ہمّت اور دھیرج میں بدل گئے۔ اس سے ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ کہ نیتک سائنس کے جاننے والوں کا جو دعویٰ مانوَ پریم اور آتم بل کی شکتی کے بارے میں ہے وہ

غلط نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسری گھٹنا ہمیں بہار کی ملتی ہے۔ بہار کے ظلموں سے باپو کی بے چینی اور اُن کا دُکھ اتنا بڑھ گیا تھا کہ اُنھوں نے نوا کھالی ہی سے بہار کے لوگوں کو یہ سندیش بھیجا کہ اگر تم لوگ اپنے اِن ظلموں سے باز نہ آؤ گے تو میں لاچار ہوکر اپنی جان دے دوں گا۔ اس سے بڑھ کر پریم اور درد بھرا دوسرا سندیش نہیں ہو سکتا۔ دُنیا جانتی ہے کہ بہار کے لوگوں پر اس سندیش کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ دُنیا کی کسی دوسری شکتی کا نہ ہو سکتا تھا۔ بہار والوں کے دلوں میں باپو کا جو پریم اور آدر تھا اُس کا ایک کارن وہ سیوا تھی جو باپو نے ہندستان کی اور خاص کر بہار کی کی تھی۔ بہار کی وہ گھٹنا نوا کھالی سے بھی بڑھ کر مانو پریم کی شکتی کو ثابت کرتی ہے۔ بہار کی گھٹنا ثابت کرتی ہے کہ سیکڑوں میل کی دوری پر آتم بل کی شکتی لاکھوں آدمیوں کے دل کو ایک بارگی بدل سکتی ہے۔ یہ نتیجہ پولیس، فوج یا کوئی بھی ہنسا کا سادھن پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مانو پریم کی شکتی تلوار کی شکتی سے کہیں بڑھ کر ہے۔

یہی صورتیں کلکتے اور دلی میں دکھائی دیں۔ سب جگہ اس ایک ہی طرح کی گھٹناؤں سے نیتک سائنس کے جاننے والوں کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ اِن ساری گھٹناؤں کو ہم جادو یا کرامات کہہ کر نہیں ٹال سکتے۔

خاص خاص جگہوں پر باپو کا جو اس طرح اثر پڑا اس کے علاوہ سارے دیش پر جو اُنھوں نے اثر ڈالا وہ بھی ہمارے سامنے

ہے۔ ساری دُنیا اس بات کو مانتی ہے کہ سامپردایک طوفان نے جو حالت اُس سمے پیدا کر رکھی تھی اُسے باپو کی موت کے سوا کوئی دوسری شکتی بدل نہ سکتی تھی۔ راج کی فوجیں اور پولیس اور دوسری ساری کوششیں بیکار ثابت ہو چکی تھیں۔ ڈر تھا کہ اگر یہ طوفان اور بڑھا تو سارا ملک اس میں پڑکر برباد ہو جاوے گا۔ اِس سب کے بعد بھی اگر کسی کو مانو پریم اور آتم بل کی شکتی میں وِشواس نہ ہو تو کمی اِس میں اُس آدمی کی سمجھ کی ہے۔

دیش کا ہر آدمی اِس بات کو مانتا ہے کہ اگر باپو اپنے آپ کو قربان نہ کرتے تو دیش، کانگریس اور راج سب کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ پھر جب مانو پریم ایسی طوفانی حالت میں دیش کو اِس طرح بچا سکتا ہے تو اگر اِسی شکتی کے بڑے سے بڑے پیمانے پر دیش کے کونے کونے میں سنگھٹن پیدا کر دیئے جاویں تو کیا یہ سنگھٹن دیش میں امن امان قائم نہیں رکھ سکتے؟ اگر ایک مہان تیاگی اکیلا کروڑوں آدمیوں کے شیطانی بھاووں کو ایسے جوش یا پاگل پن کے دنوں میں انسانیت کے بھاووں میں بدل دے سکتا ہے تو کیا لاکھوں آدمی مل کر کامیابی کے ساتھ ملک میں امن امان بنائے نہ رکھ سکیں گے؟ ضرورت کیول اس بات کی ہے کہ اُن لاکھوں آدمیوں کو اپنے اندر مانو پریم پیدا کرنے اور اُسے کام میں لانے کی تعلیم ٹھیک اُسی طرح اور اُسی پیمانے پر دی جائے جس طرح اور جس پیمانے پر ہنسا کے سپاہیوں کو تلوار چلانے اور خون بہانے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہر آدمی کے اندر انسانیت اور حیوانیت دونوں موجود ہیں۔

جس طرح ہم اپنے اسکولوں اور اپنی ساری زندگی میں جانے اور اَن جانے اتنے بڑے پیمانے پر حیوانیت پیدا کر سکتے ہیں تو کیا ہم انھیں اسکولوں کی تعلیم کے ڈھنگ کو جڑ سے بدل کر اور اُسی طرح اپنے جیون کے حیوانی پہلوؤں کی جگہ انسانی پہلو قائم کرکے انسانیت پیدا نہیں کر سکتے ؟

ان سوالوں کے جواب میں ایک ہی بات کہی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ باپو مہاتما تھے۔ تو کیا مہاتما آدمی نہیں ہوتا؟ کیا وہ دیوتا یا فرشتہ ہوتا ہے؟ پر ہمارا سوال تو اُن پڑھے لکھے لوگوں سے ہے جو سائنس کے طریقے سے سوچتے ہیں اور جو دیوتا فرشتے کیا ایشور تک کو نہیں مانتے۔ جب آدمی کے سوائے اور اُس سے بڑھ کر اور کوئی ہے ہی نہیں تو باپو کیول ایک آدمی تھے۔ سوال یہ ہے کہ اُس آدمی میں یہ شکتی کہاں سے آئی؟ ظاہر ہے کہ یہ اس کی تعلیم اور تربیت سے ہی پیدا ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اور کوئی صورت تو اس کے پیدا ہونے کی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر دھرم مذہب کی خاص خاص کتابیں ایک سور سے اس شکتی کی چرچا کرتی ہیں اور اس کے پیدا کرنے اور کام میں لانے کے ڈھنگ بتاتی ہیں۔ کیا وہ سب غلط اور بے بنیاد ہیں؟ باپو خود کہتے تھے کہ انھیں اس شکتی کا پتہ اور اس کے بڑھانے اور کام میں لانے کے طریقے انھیں دھرم پستکوں سے معلوم ہوئے اور انھیں دھرم پستکوں کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر انھوں نے اس شکتی کو اپنے اندر پیدا کیا اور اتنا بڑھایا۔ تو کیا باپو یہ سب باتیں دُنیا کو بہکانے اور دھوکہ دینے کو کہا کرتے تھے؟ آخر اس بہکانے سے انھیں کیا فائدہ ہو سکتا تھا؟

اور اگر ان کی یہ سب باتیں سچ تھیں تو کیا ہمیں اِن سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہیئے۔

یہ کہنا کہ ہر ایک باپو نہیں ہوسکتا، اوّل تو وِگیا نک نگاہ سے بالکل بے معنی ہے، دوسرے اگر ہم یہ مان بھی لیں تو کیا ہم سب چھوٹے چھوٹے ہزاروں گاندھی نہیں بن سکتے؟ اور کیا اِن سب ہزاروں گاندھیوں کی ملی ہوئی کوشش ہمارے مطلب کیلئے کافی نہ ہوجائے گی. کیا اور گاندھی پیدا کرنے میں اتنی کٹھنائی اسی لیئے نہیں ہے کہ دُنیا اپنی ساری شکتی ہٹلر، مسولینی اور اسٹیلن پیدا کرنے میں خرچ کر رہی ہے؟ دُنیا نے اپنے سارے ریت رواج، قاعدے قانون، کھیل تماشے، اسکول کالج اور جیون کے سب کار بار انھیں اصولوں پر قائم کر رکھے ہیں جن سے ہٹلر اور مسولینی پیدا ہوتے ہیں. کیا اِن سب چیزوں، سنستھاؤں اور ان کے بُنیادی اصولوں کا بدل دینا ناممکن ہے؟ اور کیا مانو پریم کے اِن چمتکاروں اور نتیجوں کو دیکھتے ہوئے بھی ہمیں اس طرف عملی قدم نہیں بڑھانا چاہیئے؟

ہمارا خیال ہے کہ کانگریس اور حکومت کو باپو کے جیون اور ان کی قربانی کو اس طرح بھلانا نہیں چاہیئے، اُنھیں اِن سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔

لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کوئی آسان بات نہیں ہے. پچھمی تہذیب نے ہمارے سارے پڑھے لکھے لوگوں پر ایک گہرا اور خاص اثر ڈال رکھا ہے. اِس کے ساتھ ساتھ ہمارے مُلک کے کیا بھیتری اور کیا دوسرے مُلکوں سے تعلق رکھنے والے باہری معاملے بہت

زیادہ پیچیدہ ہوگئے ہیں۔ ان پیچیدگیوں نے ہماری زندگی کے ہر پہلو کو ہی راج کاجی بھنوروں میں پھنسا دیا ہے۔ ان سب سے نکل سکنے کی کوئی صورت آسانی سے دکھلائی نہیں پڑتی ہے۔ اِس طرح ہمارے پڑھے لکھے اور راج کاج میں لگے ہوئے لوگ انہی بھنوروں میں بڑی طرح ڈوب گئے ہیں۔ مگر مصیبت کچھ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ ہماری اپنی پرانی سبھیتا کا سارا جھکاؤ راج نیتی سے پرے تھا۔ اُس کا زور اسی پر تھا کہ عام لوگ، راج کاج کو نظر انداز کریں اور اس سے الگ رہ کر اپنا کام سنبھالیں۔ ان سب باتوں نے باپو کی زندگی سے پورا فائدہ اُٹھانے کے راستے میں گہری دشواریاں پیدا کر دی ہیں۔

اس کے علاوہ ایک دشواری اور بھی ہے۔ باپو ایک سمپورن یا مکمل آدمی تھے۔ اُن کی زندگی میں سب ہی پہلو اور نشان —— چاہے وہ سماجی ہوں یا راج کاجی، چاہے اخلاقی اور چاہے آتمک یا روحانی —— اپنی اونچائی اور بلندی پر موجود رہتے تھے، اور ایک ہی وقت میں ایک ساتھ موجود رہتے تھے۔ ان سب میں ایک انوکھا توازن یا سمتول رہتا تھا۔ باپو کا کام کرنے کا ڈھنگ کچھ ایسا نرالا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی پہلو کبھی نظر انداز نہیں ہوتا تھا۔ مگر اُن کے پریمیوں اور پیروکاروں میں یہ سمتول پیدا نہ ہو سکا۔ اِس لئے وہ ان پہلوؤں میں سے کسی ایک ہی ترقی اور سدھار کو اپنا مقصد اور فرض بنا لینے پر مجبور ہوتے رہے۔ زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے اُن کا کوئی تعلق ہی باقی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کی ایکائی کی جو تصویر باپو کے سامنے تھی،

اِن میں پیدا نہ ہوئی۔ اسی وجہ سے کسی ایک مرکز پر پوری طرح سے جم سکنا اور مل کر اس پر جُٹ جانا اِن کے لئے نا ممکن ہوگیا۔

اصل بات یہ ہے کہ باپو نے اپنی زندگی کے الگ الگ پہلوؤں میں ایک ایسا گھُلا مِلا اور مکمل سمتول پیدا کر لیا تھا جس کی مثال دُنیا کے اتہاس میں ملنا مشکل ہے۔ اُن کے سامنے انسانی زندگی ایک اکائی تھی جس کی ایک سموچی ہستی ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر ہم اس کے ٹکڑے کردیں گے تو اِس کی اصلیت کو اور اس کے سبھاؤ کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ اور نہ ہم اس سے پورا فائدہ ہی اُٹھا پائیں گے۔ ہمارے جسم کی طرح زندگی بھی ایک مکمل ہستی ہے جس میں روح یا جان ہے۔ اس کے ہر حصے کا ایک دوسرے کے ساتھ ویسا ہی ناتا ہے جیسا ہاتھ پاؤں میں یا خون اور بدن میں ہوتا ہے۔ نیتکتا یا اخلاقیات اور ادھیاتمکتا یعنی روحانیت کو انسانی زندگی میں باپو وہی جگہ دیتے تھے جو بدن میں دماغ اور ریڑھ کی ہڈی کی ہے۔ اس لئے زندگی کے کسی پہلو سے بھی ناتا الگ کر دینے کی کوشش کرنا یا اس کے کسی ایک خاص پہلو پر ہی اپنا سارا دھیان و طاقت لگا دینے کا نتیجہ اُن کی رائے میں یہ ہوگا کہ ہم اپنی بڑھوتی کے اصلی راستے سے بھٹک جائیں گے۔

یہ باپو کی بُنیادی تعلیم تھی۔ لیکن ہم اس تعلیم سے پورا فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باپو کے پیچھے چلنے والوں میں سے وہ لوگ، جنھوں نے روحانیت کو اپنا مقصد بنایا، سماجی اور راج کاجی جھمیلوں سے ایک دم الگ ہوگئے۔ انھوں نے اپنے سامنے زندگی

کا ایک ہی مقصد رکھا — آدھیاتمک ترقی۔

باپو اس دُنیا اور اُس دُنیا میں کوئی بھید نہیں کرتے تھے۔ اُن کے سامنے زندگی اور موت الگ الگ چیزیں نہیں تھیں۔ وہ زندگی اور موت کو ہی نہیں بلکہ کل سرشٹی کو وحدت (ایکتا) کا ایک ایسا سموچا اور سچا سروپ مانتے تھے کہ جس میں پچھلے یا اگلے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اُن کے خیال میں اس وحدت کا ایک مکمل وجود ہے جو نہ بانٹا جا سکتا ہے اور نہ جسکی کوئی حد ہے اور نہ جو مارا یا مٹایا ہی جا سکتا ہے۔ اُن کو یہ بھی وشواس تھا کہ اس سنسار بیاپی اور امر سروپ کے اندر انسان کی بھلائی اور ترقی کا چاہے وہ دین کی ہو یا دُنیا کی، ایک ہی راستہ ہے — تیاگ، سیوا اور پریم۔ گیان، بھکتی اور کرم یوگ باپو کے لیئے اکھنڈ تھے۔ اِس لیئے زندگی کی کشمکش سے دور بھاگنا چاہے وہ روحانی مقصدوں کے حاصل کرنے کے لیئے ہی کیوں نہ ہو — باپو کی سیدھی راہ سے بھٹک جانا تھا۔

اسی طرح باپو کے پریمیوں کا ایک دوسرا گروہ تھا جس نے رچناتمک پروگرام کو چلانا اپنا مقصد بنا لیا۔ وہ بھی اصلی راج نیتی کے دائرے سے باہر ہو گیا۔ اس گروہ کیلیئے باپو یہ چاہتے تھے کہ یہ راج کاجی زندگی کی اسپھوگ والی جھنجھٹوں اور اخلاقی گراوٹوں سے الگ رہے، اس سے اُن کا یہ منشا تھا کہ یہ حصہ اُن کے آندولنوں کی نیتک یا اخلاقی سطحوں کو اونچا رکھنے کا فرض ادا کر سکے گی۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اِن لوگوں نے رچناتمک کام کو اصلی راج نیتی کے دائرے سے باہر سمجھ لیا۔ حکومت کے سیدھے سُدھار

کی کوشش کرنا یا اُس کی پالیسیوں کو اپنے اُصولوں اور قاعدوں کے مطابق پابند بنانے کے لیے اُسے مجبور کرنا۔ ان کے خیال میں رچناتمک کام کا کوئی اعلیٰ حصہ نہیں تھا۔ ان کے اِس خیال نے، جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، رچناتمک پروگراموں کو نیرس اور بےجان کر دیا۔

جب تک باپو زندہ تھے اور پردیسی سرکار سے لڑائی جاری تھی ہماری اس ناسمجھی کے خطرناک نتیجے صاف صاف سامنے نہ آسکے۔ لیکن ہماری آج کی حالت صاف بتاتی ہے کہ ہم باپو کے اصلی اُصولوں اور مقصدوں سے کتنے دور ہو گئے ہیں۔ باپو اپنے ڈیو بارک جیون میں تو سر سے پاؤں تک راج نیتی کی لڑائیوں میں یا اُن کی تیاریوں میں ڈوبے رہتے تھے۔ جب تک ودیشی راج قائم تھا باپو کا کہنا تھا کہ میں اپنی زندگی کا ایک ایک چھن اِس حکومت سے لڑنے میں یا لڑنے کی تیاری میں خرچ کرتا رہتا ہوں کیونکہ جب تک ملک کو آزادی نہ مل جائے میرے لیے زندگی اور یہ جنگ دونوں ایک ہیں۔ اِن میں سے کسی کو بھی میں ایک چھن کے لیے نظر انداز نہیں کرتا۔ یہ ضرور ہے کہ ضرورت کے لحاظ سے میرے پروگراموں کے روپ بدلتے رہتے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مرتے دم تک، اُن کی یہ جنگ برابر جاری رہی۔ اُن کی آخری وصیت اِس بات کا ثبوت ہے۔ اِس کی پرستاؤنا میں اُنھوں نے کہا ہے کہ اب تک ملک کو اصلی آزادی کسی معنی میں بھی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اور اس کی خاطر ہمیں اپنی جنگ کو برابر جاری رکھنا ہے۔

باپو کا کہنا تھا کہ اگر کوئی میرے اصولوں اور کام کرنے کے ڈھنگوں کو پوری طرح سمجھنا چاہے تو وہ میری باتوں پر نہیں بلکہ میرے کاموں پر دھیان دے۔ اگر وہ انھیں پوری طرح سمجھ لے گا تو میری زندگی کا سارا گُر اُس کی سمجھ میں آجائیگا۔ پھر اگر ہم باپو کی زندگی میں سے اُس کا راج نیتی سے تعلق رکھنے والا حصّہ نکال دیں تو وہ بے جان سی رہ جاتی ہے اور ادھوری تو ہو ہی جاتی ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ باپو خود راج نیتی سے بہت دور اونچے اور پہنچے ہوئے تھے۔ اُن کا سر ہمیشہ آکاش کی اونچائیوں سے ٹکر لیا کرتا تھا لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اُن کے پیر دھرتی پر ایسے جمے رہتے تھے کہ دیو ہارکتا یا عملیت (PRACTICALISM) واستوکتا یا اصلیت (REALISM) اور بھوتکتا یا مادیت (MATIRIALISM) کے بڑے سے بڑے پجاری اُن کے سامنے ہمیشہ جھکتے رہتے تھے۔ اُن کے جیون کے راج کاجی پہلوؤں کو اوجھل کرنا ایک سموچی، سُندر، او امٹ تصویر کو بگاڑ دینا اور اُجاڑ دینا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم کسی انسان کے جسم سے گوشت، پوست، رگ پٹھے سب نکال کر اُس کی ہڈیوں کے پنجر کو اپنے سامنے رکھکر اُسے اصلی چیز سمجھ لیں۔ باپو راشٹر کے سُدھارک اور ہر انسان کے سیوک تھے۔ دُنیا کی حالت اس وقت ایسی ہو گئی ہے کہ ہمارے اصلی جیون کی سچی اصلاح بِنا راج کاجی سُدھار کے نہیں ہو سکتی۔ اگر باپو راج کاجی سُدھار کو اپنا خاص مقصد نہ بناتے تو اِس سے انکے سارے مشن کا ہی خاتمہ ہو جاتا۔ سچ تو یہ ہے کہ باپو کے جیون کے

اس پہلو کو ہم نے وہ جگہ ہی نہ دی جو اُسے ملنی چاہیئے تھی۔ اس لئے ہم باپو کے رچناتمک پروگرام کے اصلی مقصد سے بہت دور ہوگئے ہیں۔

مگر اس سے بھی زیادہ بدنصیبی کی بات ایک اور ہوگئی۔ وہ یہ کہ باپو کے ساتھیوں کا تیسرا دَل جو راج نیتی میں گیا اور جس کی تعداد دوسرے دَلوں سے بہت ہی زیادہ تھی، اُس دَل نے باپو کی تعلیموں اور طریقوں کو دِل سے سویکار نہیں کیا۔ پچھم کا اس کے اوپر اتنا گہرا اور اَمٹ اثر تھا کہ باپو کی کوشش سے وہ مِٹ نہ سکا۔ راج کاجی کامیابی پانے اور طاقت ملنے کے ساتھ ساتھ یہ اثر اور بھی گہرا رنگ پکڑتا گیا۔ باپو کی موت کے وقت تک یہ حالت بدل نہ سکی۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہمارے دیش کا راج کاجی روپ رنگ کچھ ایسا ہو رہا ہے مانو اس دیش میں باپو کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ باپو کی زندگی کا بہترین حصّہ اِس گروہ کو مُلک پر دجیۓ بنانے کی کوشش میں ختم ہوا تھا۔ ایک لمبے عرصے تک اپنے مقصدوں کو حاصل کرنے کی اُن کی ساری امیدیں اسی گروہ کے ساتھ گُھلی ملی رہی تھیں۔ اور یہی نہیں بلکہ اپنے انھیں پریمیوں کو پیچھے رکھ کر باپو اپنے آپ کو ہمیشہ اِسی دَل پر قربان کرتے رہتے تھے۔ اس لئے دیش کی جنتا پر بھی یہ زبردست اثر پڑگیا ہے کہ یہ دَل باپو کا سچّا انویائی ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ گروہ باپو کے اصولوں اور آدرشوں سے ہٹ کر پچھم کا پریمی اور انویائی بنا تو باپو کے مشن کے پورا ہونے میں وہ دُشواریاں

اور خطرے پیدا ہوگئے جو دُنیا کی کوئی دوسری طاقت پیدا نہ کرسکتی تھی آج باپو کے مشن کی کامیابی کے راستے میں یہی سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔

مگر ساری دِقّتیں اوپری اور کچھ دیری ہیں۔ انسانی زندگی کی آتمک یا روحانی طاقتیں اور آندولن — چاہے ہم اُنھیں دیکھ سکیں یا نہ دیکھ سکیں — اپنا کام برابر کرتے رہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے گزر جانے کے سو سال بعد ان کا سندیش موجودہ بائبل کے روپ میں دُنیا کے سامنے آیا تھا۔ محمدؐ صاحب نے اپنی نبوّت کے پہلے تیرہ سال کی کھینچا تانی اور تن ماری کے بعد ۱۸۲ مسلمان بنائے تھے۔ اِن میں سے لگ بھگ سب ہی اپنے جان و مال کی حفاظت کے لیے اپنا وطن چھوڑ دینے پر مجبور ہوگئے تھے۔ مگر اس کے بعد دس سال کے اندر ہی سارا عرب مسلمان ہوگیا اور اگلے تینتیس سال کے بھیتر اسلام دُنیا کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔ مہاتما بُدھ کے جیتے جی اُن کے مشن کا اثر ہندستان پر بھی بہت تھوڑا پڑسکا تھا مگر آج یہ اثر تمام انسانی جیون میں اس طرح گھر کیے ہوئے ہے جس طرح بھوتک یا مادّی دائرے میں بجلی۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر ہم کسی پہنچی ہوئی اور عالیشان روحانی ہستی کی زندگی پر نظر ڈالیں گے، وہ بُدھ، محمدؐ، عیسیٰ یا کوئی بھی ہو، تو ہمیں ایک ہی سچّائی نظر آئے گی۔ وہ یہ کہ اِن جن سیوکوں کے مشنوں کی کامیابی اِن کی زندگی کے مقابلے میں ان کی موت کے بعد ہزار ہا گُنی زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ راجے،

مہاراجے، شہنشاہوں کے راج اُن کی موت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو راج یا حکومتیں یہ جن سیوک لوگوں کے دِلوں، بھاؤ ناؤں اور جذبوں پر قائم کرتے ہیں وہ اُن کے مَرنے کے بعد بھی ہمیشہ پھولتی — پھلتی اور پھیلتی رہتی ہیں۔

ہم اِن مہاتماؤں کے مِشن کا اندازہ اُن دھرموں یا مذہبوں کی موجودہ حالت سے نہیں لگا سکتے جو آج دنیا میں ان کے کہے پر چلنے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ یہ سب دھرم تو ان نیتک اور روحانی باڑھوں یا سیلابوں کے بھوتک (مادّی) گت چِنہ (پس اندازے) ہیں جن کی لہریں دُنیا میں پھیل پھیل کر اپنا کام کر چکی ہیں۔ اور آج بھی کہہ رہی ہیں کہ یہ تو وہ کیڑے کھائے سانچے ہیں جو اپنے ٹوٹنے اور مٹنے کے لئے دوسرے ایسے ہی سیلابوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ سیلاب چاہے راج نیتی کی طرف سے آویں یا روحانیت یا ادھیاتمکتا کی طرف سے آویں۔ سارے سنسار کی پہنچی ہوئی مہان آتمائیں پہلے دن سے لیکر آج تک ہمیشہ ایک ہی روحانی اور نیتک سندیش دُنیا میں پہنچاتی رہی ہیں۔ یہ سندیش 'وسودھیو کٹمب کم' (اخوت انسانی) کا ہے۔ اِن کے اِنھیں سندیشوں نے انسانی دُنیا میں وہ سارے پہلو اور بیج پیدا کئے ہیں جنھیں ہم انسانیت کہتے ہیں۔ انھیں سندیشوں سے وہ اُصول اور کارروائیاں، وہ بھلے اور بُرے کے بھید، وہ محبت اور نفرت کے رشتے اور تعلق پیدا ہوئے جن کے گارے اور اینٹوں کی مدد سے ہماری کلچروں، سبھیتاؤں اور تہذیبوں کی عمارتیں تیار ہو کر کھڑی ہوئی ہیں

اور آج دُنیا میں جتنے بھی راج کاجی آندولن ہیں وہ بڑی راضی خوشی اور کھُلے دِل کے ساتھ، جان میں یا انجان میں، اِنھیں سندیشوں کو پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سب کا بھی ایک ہی سچّا دھیئے ہے ـــ 'وسودھیو کٹمب کم' کی استھاپنا، اخوتِ انسانی کی تکمیل۔ باپو نے اپنے سے پہلے آنے والے سارے عالیشان پیروں، پیغمبروں اور فقیروں کی صرف تصدیق ہی نہیں کی ہے، صرف اِن سندیشوں کی وحدت (ایکتا) کو ہی روشن نہیں کیا ہے، بلکہ انھوں نے سنسار کے سامنے ایک نیا نیتک اور آدھیاتمک سادھن لاکر رکھ دیا ہے جو اس کی بڑھوتری کے راستے سے اُن ساری رُکاوٹوں اور مصیبتوں کو مستقل طور پر دور کرسکتا ہے، جو اتہاس کے شروع سے ہی اس راستے کی سب سے بڑی دُشواریاں ثابت ہوتی رہی ہیں۔ آج دُنیا ایسے سندیشوں کی پیاسی اور ایسے سادھن کی حاجت میں ہے۔ آج یہ خود ہی پریشان ہے اپنی اُن غلط کارروائیوں کے ہولناک نتیجوں سے جنھوں نے اِسے گھائل کر دیا اور جھنجھوڑ دیا ہے اور اس کی جان کو خطرے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ باپو کا سندیش اس کے لیۓ مرہم اور امرت ہے۔ ایسے سندیش انسانی اتہاس میں کبھی نظر انداز نہیں ہوئے۔ وہ اوپری اور کچھ دیری بے رُخی اور لاپرواہی جو آج ہم باپو کے اصلی آندولن کی طرف سے دیکھ رہے ہیں، کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ ہمیں پورا بھروسہ ہے کہ دُنیا اس کا سواگت کرے گی اور اس کا پورا پورا لابھ اُٹھائے گی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کب ہوگا اور تب تک ہمارا ہندستان کیا کرے گا ۔ اس میں شک نہیں کہ باپو کی موت نے چاروں طرف گہرا سندیہہ پیدا کر دیا ہے ۔ اصل میں باپو ہی اپنے جیون میں اس آندولن کے اگوا اور راہ دکھانے والے تھے ۔ اس کے نظام میں اُن کا وہی مقام تھا جو سورج کا دُنیا کے نظام میں ہے ۔ اُن کی روحانی کشش یا شکتی مختلف اور ایک دوسرے کے خلاف دکھائی پڑنے والی ہستیوں اور جماعتوں کو ایک مرکز پر کھینچ لیتی تھی ۔ وہ ہر اعلیٰ اور ادنیٰ انسان سے ـــ چاہے وہ کسی بھی قابلیت اور جماعت کا کیوں نہ ہو ـــ ایک ہی طرح اپنے مقصدوں کو پورا کرنے میں کام لے لیا کرتے تھے ۔ اِس سورج کے ڈوب جانے سے سارا نظام بکھرا ہوا سا دکھلائی پڑتا ہے ۔ مگر سورج کے ڈوبنے سے اُس کے نظام میں کوئی اصلی یا دیرپا تبدیلی تھوڑی پیدا ہوتی ہے ۔ وہ طاقتیں جنھوں نے باپو کو پیدا کیا تھا اپنی جگہ پر ویسی ہی باقی ہیں ۔ اس لئے کسی بنیادی انقلاب کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ۔ یہ وچار کہ جب باپو اپنی زندگی میں خود ہی کچھ نہ کر سکے تو اُن کے انویائی بے چارے کیا کر سکیں گے بالکل بے بنیاد اور بے معنی ہے ۔ اصلیت یہ ہے کہ باپو کے انوکھے اور شاندار جیون نے اور اس سے بھی کہیں زیادہ انوکھے اور شاندار بلیدان نے ہمارے مُلک پر ہی نہیں بلکہ تمام دُنیا پر اپنی گہری چھاپ ڈال دی ہے ۔ جو نیتک اور روحانی طوفان اُن کی وجہ سے پیدا ہوا اُس کی موجیں ـــ چاہے وہ ہمیں دکھلائی نہ پڑیں ـــ دُنیا کی زندگی میں ہلوریں لے رہی ہیں ۔ یہ سب

جانتے ہیں کہ جہاں دھرتی کے تلے بارودی سُرنگیں بچھائی جاتی ہیں وہاں ایک چنگاری بھی بہت ہی زبردست نتیجے پیدا کرسکتی ہے۔ چنگاری کا اثر کرنے کا طریقہ قدرت کے قانونوں کے ماتحت ہے۔ قدرت کے قانونوں کی طرح نیتکتا یا اخلاق کے قانون بھی اٹل اور اٹل ہیں۔ جو روحانی سُرنگ باپو کے آتم بل نے انسانی جیون میں پھیلادی تھی اُس میں اُن کے بے مثال بلیدان سے لازمی طور پر اور بھی زیادہ گرمی اور تیزی پیدا کردی ہے۔ ہوا تیار ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اِس میں چنگاری آتی کدھر سے ہے۔

بہت کچھ ممکن یہی ہے کہ یہ چنگاری اُنھیں لوگوں سے آئے گی جنھوں نے نیک نیتی کے ساتھ اپنے جیون کو باپو کے مشن کو پورا کرنے کے لئے نچھاور کردیا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ایسے لوگوں کی تعداد مُلک میں بہت کم ہے۔ لیکن ستیا گرہ کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ اِس میں تعداد کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔ چند ہستیاں ہی، اگر وہ سچی ستیا گرہی ہیں، تو دیش کی بڑی سے بڑی سیوا کرسکتی ہیں اور اِسے بڑے سے بڑے خطروں سے بچالیں گی۔ ہم سب دیکھ چکے ہیں کہ باپو نے کیسے اکیلے ایک ستیا گرہی کی حیثیت سے انگریزی حکومت کا مقابلہ کیا اور بہت بڑے پیمانے پر کامیابی پائی۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ اُنھوں نے اکیلے ہی فرقہ وارانہ طوفان پر کتنا گہرا اور کتنا بڑا اثر ڈالا۔ اِس سے زیادہ اُمید اور ہمت دلانے والی بات کیا ہوسکتی ہے؟ یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ باپو کی ساری کامیابی کا اصلی کارن

اُن کا گوشت اور ہڈیاں نہ تھیں بلکہ وہی اُصول اور کارروائیاں تھیں جن کی اُنھوں نے ہمیں برابر تیس سال تک اُصولی اور عملی تعلیم دی ہے۔ باپو چلے گئے لیکن اُن کے سارے اُصول اور کام کرنے کے طور طریقے آج بھی زندہ ہیں۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ دُنیا کی مہان آتمائیں اپنی ساری طاقت اور اونچائی اپنے آپ کو کچھ نیتک اُصولوں کا پابند بناکر حاصل کرتی ہیں۔ پھر وہ اپنے بڑے بڑے تجربوں کی روشنی میں انھیں اُصولوں کی باریکیاں اور گہرائیاں کھول کر پورے بیورے کے ساتھ دُنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں اور اپنے بیوہار سے ان اُصولوں کی طاقت کے نظارے لوگوں کو دکھلاکر ان کے اندر ان اُصولوں کی اصلیت کا وشواس اور ان کی طاقت کا احساس پیدا کراتی ہیں۔ تو پھر جب صورت یہ ہو اور جب ہماری تعلیم، شکشا دِکشا کیلئے ہماری پرانی تہذیب کا بھنڈار موجود ہی ہو، جب باپو کی تعلیم اور اُنکے بے مثال کارنامے اور کامیاب الزبھو ہماری آنکھوں کے سامنے ہوں، تو پھر ہمیں کمی کس بات کی ہے، گھبراتا کس چیز سے ہے؟ ضرورت محض اس پر تیار ہو جانے کی اور اس پر جُٹ جانے کی ہے۔ اگر باپو کے پریمی اور انویائی ایک مت ہوکر اُن کی آخری وصیت کے پورا کرنے کو اپنا اکیلا مقصد بنالیں تو دُنیا کی کوئی طاقت نہیں ہے کہ جس کا مقابلہ وہ کامیابی کے ساتھ نہ کرسکیں۔ لکشیہ پر پہنچنے کی کوشش ہی ہماری سپھلتا کی اصلی کنجی ہے۔ جن کا یہ وشواس ہے کہ دُنیا کی کھینچا تانیوں کے بیچ آخری اور اصلی صورت میں نیتک اُصول اور طاقتیں ہی انیتک اصول

اور طاقتوں پر ہمیشہ وجے پاتے ہیں اور جو اس وجے کو سماجی اور قدرتی قانونوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں اُن کے لئے اس راستے پر چلنے میں گرنے یا اُٹھنے کا کامیابی یا ناکامیابی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اپنے لکشیہ کو سامنے رکھ کر اُس کی طرف بڑھنے کا بھاؤ اور کوشش — یہی اُن کا جیون ہے۔

باپو کے بھگت اس لکشیہ کی طرف بڑھیں یا نہ بڑھیں مگر دیش کی جنتا بہت عرصے تک اس سے بے خبر نہیں رہ سکتی۔ باپو کا مشن ہی اس کی سچی ترقی اور بہتری کا اکیلا ذریعہ ہے۔ دیش کا کوئی خاص دل باپو کا پریمی یا انویائی ہو یا نہ ہو، مگر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جنتا اُن کی سچی پریمی ہے اور اُن پر جان دیدینے والی ہے۔ باپو جنتا کے دُکھ درد کو ہمیشہ کے لئے دور کر دینا چاہتے تھے۔ وہ جنتا کے اندر وہ نیتک طاقت پیدا کرنا چاہتے تھے جس سے وہ اپنے دیش کی سچی مالک اور رکشک بن سکے۔ وہ جنتا کے اندر اپنی پُرانی تہذیب کو اُن آدھیاتمک اونچائیوں کا انداز پیدا کرانا چاہتے تھے جنھوں نے اسے دُنیا میں ہمیشہ ہرا بھرا اور خوش رکھا ہے۔ اس کا سر ہمیشہ اونچا اُٹھایا ہے اور اسے عزت دی ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ مدتوں سے یہ ہماری پُرانی تہذیب دُنیا کے کونے کونے کو نیتک اور روحانی خوراک پہنچانے کی سیوا کرتی رہی ہے۔ آج دُنیا اپنے اتہاس کے ایک بہت ہی خطرناک دَور سے گزر رہی ہے۔ اس کے بہتے ہوئے سیلاب میں باپو ہمالیہ کی اونچی چوٹی پر کھڑے ہوکر اپنی تیج سے کرنوں سے

دُنیا کی طوفان زدہ برباد قوموں کو اصلی جیون دینے والے کنارے کی راہ دکھا رہے ہیں۔ ہماری پُرانی سبھیتا نے صدیوں سے ڈوبنے والوں کی آہیں اور درد بھری پُکاریں سُن کر سنسار کی بہتری اور ہدایت کیلئے اِس تیج سے جیوتی کو پیدا کیا ہے۔ ہمارا دیش ہمیشہ سے اِس جیوتی کا ماننے والا اور پالنے پوسنے والا رہا ہے۔ آج بھی یہی ہمارا کرتویہ ہے، یہی ہمارا فرض ہے کہ جس مہایگیہ میں حصّہ لینے کیلئے باپو نے اپنے جیون کے جگمگاتے کارناموں اور اپنے بلیدان کی تیج سے جیوتی سے ہمیں دعوت دی ہے اُس یگیہ کو کامیاب بنادیں۔ یہی ایک اکیلا راستہ ہے ہماری مُکتی کا، یہی ایک اکیلا راستہ ہے دُنیا کی نجات کا۔

